فہرست

اکائی 1۔ اردو ناول اور افسانہ

1۔ اردو ناول

1۔ تمہید

1.1 مقاصد

1.2 ناول کی تعریف اور اجزائے ترکیبی

1.2.1 ناول کی تعریف

1.2.2 ناول کے اجزائے ترکیبی

1.2.2.1 قصہ

1.2.2.2 پلاٹ

1.2.2.3 کردار

1.2.2.4 زمان و مکان

1.2.2.5 تکنیک

1.2.2.6 اسلوب

1.2.2.7 مکالمے

1.2.2.8 نقطہ نظر

1.3 اردو ناول کا آغاز وارتقا

1.3.1 اردو ناول کا ابتدائی دور

ڈپٹی نذیر احمد اور ناول توبۃ النصوح

1.4 اغراض ومقاصد

1.4.1 ڈپٹی نذیر احمد کی حیات

1.4.2 توبۃ النصوح کا خلاصہ

1.5 مشکل الفاظ کے معنی

1.6 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.7 تفصیلی جوابات کے سوال

1.8 مطالعہ کے لئے تجویز کردہ کتابیں۔

اردو ناول

1۔ تمہید

انسان کو ابتدا ہی سے قصوں، کہانیوں کو سننے اور سنانے کا شوق رہا ہے۔ ہر دور میں ہر معاشرے میں قصے کی کوئی نہ کوئی شکل رائج رہی ہے۔ داستانیں جاگیر دارانہ عہد میں پروان چڑھیں اور جب وقت بدلا اور صنعتی انقلاب سے ملک میں سرمایہ دارانہ نظام نے ترقی کی تو قصہ گوئی کی ایک نئی صنف وجود میں آئی جسے ناول کا نام دیا گیا،ناول صنعتی عہد میں وجود میں آیا۔ سائنس کی ترقی نے انسان کو حقیقی دنیا سے واقف کیا تو وہ باتیں جو خلاف فطرت تھیں اور عقل میں نہیں آتی تھیں انہیں ترک کر دیا جس کی وجہ سے اردو میں داستان کی جگہ قصہ گوئی کی ایک نئی صنف کا آغاز ہوا، جسے آج اردو دنیا ناول کے نام سے جانتی ہے۔ اس اکائی میں آپ کو ناول کی تعریف، اس کے فن اور اجزائے ترکیبی سے مختصراًواقف کرایا جائیگا۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ ناول کی تعریف بیان کر سکیں اور اس کے آغاز کے اسباب سے واقف ہو سکے۔

2۔ ناول کے مختلف اجزائے ترکیبی (پلاٹ، کردار، تکنیک، مکالمے،نقطہ نظر،اسلوب) سے واقف ہو سکے۔

3۔ ناول کی خصوصیات کے بارے میں جان سکے۔

1.2 ناول کی تعریف اور اجزائے ترکیبی

1.2.1 ناول کی تعریف

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جو اطالوی زبان کے لفظ ناویلا سے مشتق ہے جس کے معنی نیا کے ہیں۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا تھا کہ اس وقت ناول ایک نئی چیز تھی۔ اردو ادب میں ناول انگریزی ادب کے ذریعہ آیا۔ انیسوی صدی میں اردو اہل قلم نے انگریزی ناول دیکھے اور انہیں پسند کیا تو داستان سے منھ موڑ لیا اور اس کی جگہ ناول کو خوب فروغ دیا۔

ناول اس نثری صنف کو کہتے ہیں جس میں ایسا قصّہ بیان کیا گیا ہو جو انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہو۔ ناول کا فن دراصل معاشرتی اور انفرادی زندگی کی ترجمانی اور تصویر کشی کا فن ہے۔ ناول نگار اپنے فن کے ذریعہ ایک کسی ایک قصہ یا کہانی کو ناول کے ذریعہ اس طرح پیش کرتا ہے کہ قاری اسے اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کا عکس سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی خواہشیں، امنگیں اور آرزوئیں جھلکنے لگتی ہیں۔ ناول میں زندگی کی حقیقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی تنقید بھی ہوتی ہے۔

ادب کی دیگر اصناف کی طرح ناول کی بھی کوئی حتمی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی ہے

1.2.2 ناول کے اجزائے ترکیبی

ناول کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:

(1) قصہ (2) پلاٹ (3) کردار (4) ماحول (5) تکنیک (6) اسلوب (7) مکالمے (8) نقطہ نظر

1.2.2.1 قصہ

قصہ یا کہانی ناول کا پہلا جزو ہے۔ ناول کی بنیاد کسی نہ کسی واقعہ کسی نہ کسی قصہ پر قائم ہوتی ہے۔ اور اسی سے ناول میں دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ناول وجود میں ہی اس طرح آتا ہے کہ کسی قصہ کسی واقعہ کا مشاہدہ ناول نگار کی اپنی زندگی میں کرتا ہے، جسے وہ اپنے عقل و شعور اور تجربات سے اس طرح تحریری میں لاتا ہے کہ قاری (ناول پڑھنے والا) کی ساری توجہ ہی اس پر رہتی ہے کہ اس وقت کیا ہوا، اور آگے کیا ہونے والا ہے، اس کے بعد کیا ہونا ممکن ہے اور اس واقعے کا یا ان واقعات کا انجا کیا ہو گا۔ جدید دور میں قصے سے بغاوت کی گئی اور کہا گیا کہ ناول کے لیے قصے کا ہونا ضروری نہیں، یہ خیال درست نہیں ہے اگر ناول میں قصہ بلکہ قصہ پن نہ ہوتا تو اس میں دلچسپی باقی نہیں رہتی ہے۔

1.2.2.2 پلاٹ

پلاٹ کسی بھی نثری صنف کا اہم جزو ہوتا ہے۔ پلاٹ سے مراد واقعات کے منطقی اور فنی ترتیب سے ہے جسے ناول نگار اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ ایک کے بعد دوسرا واقعہ فطری معلوم ہوتا ہے یعنی قاری کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اسی طرح ہوا ہو گا۔

ناول میں ایک کے بعد ایک واقعہ پیش آتے رہتے ہیں جنہیں ناول نگار سلیقے کے ساتھ ایک لڑی میں پرو دیتا ہے واقعات کی اس لڑی کا نام پلاٹ ہے۔ ناول میں واقعات کی ترتیب بہت بے عیب ہونی چاہیے یعنی ایک کے بعد ایک جب دوسرا واقعہ پیش آئے تو عقل تسلیم کرے کہ بے شک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اسی کا نام منطقی ترتیب ہے۔ ناول میں پلاٹ مختلف قسم کے ہوتے ہے ہیں جن میں سادہ پلاٹ، مربوط پلاٹ یا گٹھا ہو یا منظم پلاٹ، پیچیدہ پلاٹ، ہوسکتے ہیں۔ سادہ پلاٹ میں واقعات کو سیدھے سادھے انداز میں بیان کر دیا جاتا ہے اور ہر فرد کے قصہ کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔ مربوط پلاٹ اس کو کہتے ہیں جس میں کہانی کے تمام واقعات ایک دوسرے کے ساتھ مظبوطی سے جڑے ہوئی ہوتے ہیں، مربوط پلاٹ میں ایسا منطقی اور فطری تسلسل ہو کہ واقعات ایک دوسرے سے خود بخود پیدا ہوتے رہتے ہوں اور کوئی بھی واقعہ بے جوڑ اور غیر ضروری نہ محسوس ہو، ایسے ہی پلاٹ کو مربوط یا گٹھا ہوا پلاٹ کہتے ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پلاٹ غیر مربوط یا ڈھیلا ڈھالا کہلائے گا۔ ''فردوس بریں'' اور ''امراؤ جان ادا'' گٹھے ہوئے پلاٹ کی اچھی مثالیں ہیں۔ پیچیدہ پلاٹ اس پلاٹ کو کہتے ہیں جس میں پیچیدہ طرز عمل یا واقعات کی ایسی پیچیدگی ہوتی ہے کہ مسائل الجھتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور انہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس میں مرکزی قصہ کے ساتھ ساتھ ذیلی کہانیاں بھی ہوتی ہیں۔ تجسس اور موڑ آتے رہتے ہیں، کرداروں کے مسائل سلجھنے کے بجائے الجھتے جاتے ہیں اور آخر میں انجام کو پہنچے ہیں۔

1.2.2.3 کردار

ناول میں انسانی زندگی کی عکاسی افراد کے ذریعہ کی جاتی ہے، ناول میں مسلسل عمل ہوتا ہے یعنی واقعہ پیش آتے ہیں یہ واقعات افراد کے ذریعے ہی پیش کیے جاتے ہیں، جن افراد کے ذریعہ ناول کے قصہ کو پیش کیا جاتا ہے انہیں کردار کہتے ہیں۔ کرداروں کی پیشکش کردار نگاری کہلاتی ہے۔ اگرچہ ناول نگار کرداروں کو معاشرے سے ہی لیتا ہے لیکن وہ انسانی زندگی کا مکمل چربہ نہیں ہوتے ہیں ۔ انسانی زندگی اور ناول کے کرداروں کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں لیکن ناول نگار اپنے فن کے ذریعہ اس طرح سے پیش کرتا ہے کہ ناول کے کردار حقیقی ہوتے ہوئے بھی مختلف نظر آتے ہیں۔ ناول نگار ذاتی مشاہدہ، شعور اور اپنے قوت تخیل سے انہیں ضرورت کے تحت مختلف خصوصیات کا حامل بنا کر پیش کرتا ہے۔ مثلاً ڈپٹی نظیر نے اپنے ناول ''توبۃ النصوح'' میں کلیم اور اور مزا ظاہر دار بیگ، رتن ناتھ شرسار کے ناول فسانہ آزاد میں خوجی، مرزا محمد ہادی رسوا نے ناول امراؤ جان ادا میں امراؤ جان، منشی پریم چند نے ناول گئودان میں ہوری جیسے جیتے جاگتے کردار کو پیش کیا۔ یہ اردو ناول کے ایسے کردار ہیں جو حقیقی نہ ہوتے ہوئے بھی انسانی

زندگی سے میل کھاتے ہیں۔ فکشن میں کردار دو طرح کے ہوتے ہیں ایک پیچیدہ یعنی راؤنڈ دوسرے سپاٹ یعنی فلیٹ۔ جو کردار جیتے جاگتے ہوتے ہیں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرتے ہیں وہ راؤنڈ کہلاتے ہیں۔ جو کردار زندگی کا صرف ایک رخ پیش کرتے ہیں مثلاً اچھے ہیں تو اچھے اور برے ہیں تو برے وہ سپاٹ کہلاتے ہیں، کیونکہ اصل زندگی میں انسان حالات کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے اس لیے فکشن میں بھی وہی کردار کامیاب نظر آتے ہیں جو زندگی کے مختلف حالات کو پیش کرتے ہیں۔

1.2.2.4 زمان ومکان

ناول ممیں زمان ومکان سے مراد زانہ اور جگہ ہے جہاں قصہ یاواقعات پیش آتے ہیں۔ اسی کو ماحول بھی کہا جاتا ہے۔ ماحول ناول کا ایک اہم جزو ہے۔ ناول نگارنے ناول میں جس قصہ کو پیش کیا ہے، اس کا مخصوص عہد، طرز زندگی، معاشرے اور ماحول سے تعلق رکھتا ہے اس کا جغرافیائی ماحول بھی ناول میں پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ناول نگار ماحول کی تصویر ہو بہو اسی طرح سے پیش کرتا ہے جس طرح کسی خاص منظر کی خصوصیات اور اس کی اچھائی اور برائی اس میں موجود ہوں اور مناظر اس طرح سامنے آتے ہیں کہ قصہ یا کردار پر وہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ مصنف اپنے ناول میں بازاروں، سڑکوں، گلیوں، عمارتوں، قدرتی مناظر جنگلوں، پہاڑوں، آبشاروں کی مصوری اپنے ذاتی مشاہدہ، شعور اور قوت تخیل سے کرتا ہے۔

1.2.2.5 تکنیک

ناول میں تکنیک سے مراد وہ فنکارہ طریقہ کار ہے، جس کے ذریعے ناول نگار اپنے خیالات واقعات اور جذبات کو منظم اور موثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ تکنیک ہی کہانی کو دلچسپ مربوط اور موثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر تکنیک مضبوط نہ ہو تو بہترین موضوع بھی قاری پر مطلوبہ اثر نہیں چھوڑ پاتا اس لیے ناول کی کامیابی میں تکنیک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ناولوں میں موضوع کی ضرورت کے تحت کئی طرح کی تکنیک استعمال میں لائی جاتی ہیں، جن میں بیانیہ تکنیک، شعور کی رو کی تکنیک، خطوط اور ڈائری کی تکنیک، فلیش بیک تکنیک قابل ذکر ہیں۔ اردو ناولوں میں زیادہ تر بیانیہ تکنیک استعمال کی گئی ہے اس تکنیک مین راوی قصہ بیان کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ توبۃ النصوح اور گئودان میں اسی تکنیک کا استعال کیا گیا ہے۔ شعور کی رو تکنیک میں مصنف کرداروں کے ذریعہ خیالات، یادیں اور احساسات کو سی طرح سے پیش کرتا ہے جس طرح سے خیالات اس کے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ سجاد ظہیر نے ''لندن کی ایک رات اور قرۃ العین حیدر نے ''آگ کے دریا'' ناول میں اس تکنیک کا کامیابی کے ساتھ استعال کیا ہے

۔خطوط اور ڈائری کی تکنیک میں پورا ناول خطوط یا ڈائری کی ذریعہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ قاضی عبد الغفار نے اپنے ناول ''لیلیٰ کے خطوط اور مجنون کی ڈائری'' میں اس تکنیک کا کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ فلیش بیک تکنیک میں ناول نگار قصہ کو حال سے ماضی میں لے جا کر بیان کرتا ہے۔ مرزا ہادی رسوا نے اپنے ناول ''امراؤ جان ادا'' اور خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' میں اس تکنیک کا استعمال کیا ہے۔

1.2.2.6 اسلوب

اسلوب ناول کا ایک اہم جز ہے۔ اسلوب سے مراد نہیں ناول نگار کا وہ انداز بیاں ہے جس کے ذریعے وہ اپنے خیالات، واقعات اور کرداروں پ ناول یں متعارف کراتا ہے۔ اگرچہ ناول نگار ایک اچھے موضوع کا انتخاب کرے، اچھا پلاٹ ترتیب دے، حقیقی زندگی سے لتے ہوئے کردار پیش کرے، اور موضوع کے اعتبار سے منسب تکنیک کا انتخاب کرے لیکن اس کا اسلوب اچھا نہ ہو تو قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار نہیں رہے گی۔ ناول کو پڑھتے وقت قاری کی توجہ زبان کے بغیر کہانی اور کرداروں پر مرکوز رہنی چاہیے۔ اردو کے بڑے بڑے ناول نگاروں نے اپنے منفرد اور موثر اسلوب کے ذریعے اپنے ناولوں کو یادگار بنایا اور اس لیے اسلوب کو ناول کے لیے سمجھا جاتا ہے۔ منشی پریم چند، مرزا محمد ہادی رسوا، رتن ناتھ شرسار، مولانا عبد لحلیم شرر، رجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے اردو کے اہم ناول نگاروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

1.2.2.7 مکالمے

ناول میں کرداروں کے درمیان گفتگو کو مکالمہ نگاری کہتے ہیں۔ مکالمہ نگاری ناول کا ایک اہم فنی عنصر ہے۔ مکالموں کے ذریعے ہی کہانی آگے بڑھتی ہے۔ کرداروں کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے، ان کے خیالات اور جذبات سامنے آتے ہیں، واقعات میں تسلسل پیدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ مکالمے پلاٹ کی ترقی اور کرداروں کے ارتقامیں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مکالموں کے ذریعے ہی ناول نگار اپنے خیالات اور مقصد کو کرداروں کی زبان سے پیش کرتا ہے، جس سے وہ انسانی زندگی کے زیادہ قریب اور حقیقی معلوم ہوتے ہیں۔

اچھے مکالموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطری، موزوں، واضح اور مختصر ہوں ان میں غیر ضروری طوالت نہ ہو، تاکہ قاری کو سمجھنے میں دشواری یا الجھن نہ پیدا ہو۔ اسی طرح ہر کردار کی زبان اس کی تعلیمی لیاقت، معاشرتی حیثیت اور ماحول کے مطابق ہونی

چاہیے۔ایک دیہاتی، شہری، تعلیم یافتہ یا کم تعلیم یافتہ شخص کی گفتگو میں فرق ہوتا ہے ناول نگار کو چاہئے کہ مناسب مکالموں کا انتخاب کرے۔ مختصر اًموثر مکالمہ نگاری ناول کو زیادہ دلچسپ، حقیقت کے قریب لاتی ہے جس سے قاری کی دلچسپی کو آخر تک برقرار رہتی ہے۔

1.2.2.8 نقطہ نظر

ناول میں نقطہ نظر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔کیونکہ ناول انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے اور اس ترجمانی میں ناول نگار کا اپنا فلسفہ حیات، نظریہ اور فکر نمایاں ہوتی ہے۔ہر ناول نگار زندگی، معاشرے اور انسان کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے۔وہ بعض اقدار کو پسند کرتا اور بعض کو ناپسند اور یہی رجحانات اس کے ناول میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ناول نگار کی پسند اور ناپسند اس کی ہر تخلیق میں کارفرما ہوتی ہے۔لیکن ناول نگار کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں نقطہ نظر بہت واضح اور نمایاں نہیں کرتا بلکہ اشارہ دیتا ہے۔اگر ناول میں نقطہ نظر واضح ہو جائے تو اس کے حسن میں کمی آجاتی ہے۔کسی موج تہ نشیں کی طرح تخلیق میں نقطہ نظر کو جاری وساری تو ضرور ہونا چاہیے مگر ایسا نہ ہونا چاہیے کہ فنکار پر حاوی ہو جائے اور ناول کے حسن کو مجروح کردے۔

ممتاز شاعر اور مفکر گوئٹے کے مطابق ”فنکار کا فن یہاں تک حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے کہ اس کو ہر طرح حقیقی کہا جاسکے مگر اس کے ساتھ اس حد تک خیال بھی ہونا چاہیے کہ اس کو بالکل حقیقی نہ کہا جاسکے۔الغرض حقیقت اور رومان دونوں کو ملا کر شاعرانہ حقیقت پیدا ہوتی ہے جو ناول نگاری کی جان ہے۔“(بحوالہ ناول کیا ہے صفحہ نمبر 40)

1.3 اردو ناول کا آغاز و ارتقا

1.3.1 اردو ناول کا ابتدائی دور

اردو ناول کا ابتدائی دور انیسویں صدی یں شروع ہوا۔ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار تمام محقق اور ناقد مانتے ہیں۔اگرچہ ڈپٹی نذیر احمد کے تصنیف کردہ ناول فنی نقطہ نظر سے کمزور ہیں، تاہم ان کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اردو ناول کے نقوش اول ہیں اور نقش اول

میں کمی رہنا فطری بات ہے۔ انہوں نے یہ ناول مذہبی، تعلیمی اور اخلاقی اصلاح کے پیش نظر لکھے تھے۔ ان کے ناولوں میں پلاٹ مکمل اور واضح ہے اور قصہ دھیرے دھیرے ارتقا پاتا ہے۔ ان کے ناولوں کی زبان آسان اور عام فہم ہے لیکن مقصدیت فن پر غالب ہے اسلوب کے اعتبار سے ان کے ناول موثر ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد کے زیادہ تر کردار سپاٹ ہیں اور ان میں جمود کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہ کردار شروع سے آخر تک ایک جیسے ہی رہتے ہیں۔ حالات کے مطابق ان کے کرداروں میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان میں فطری ارتقا نہیں پایا جاتا ہے۔

اردو کا پہلا ناول مراۃ العروس ڈپٹی نذیر احمد نے 1869 میں لکھا۔ یہ ناول ان کی شہرت کا پہلا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کا پہلا ناول بھی ہے۔ یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے لکھا تھا۔ لکھتے وقت ان کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اردو کا پہلا ناول لکھ رہے ہیں اس کو لکھنے کا مقصد صرف اپنی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت تھا۔ اس ناول میں انہوں نے دو بہنوں اکبری اور اصغری کی سبق آموز کہانی کو پیش کیا ہے، بڑی بہن اکبری کی پرورش اس نے نانا کے گھر پر بڑے لاڈ پیار سے ہوئی تھی، وہیں چھوٹی بہن کی پرورش اپنے گھر یعنی والدین کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ عادات واطوار کے اعتبار سے دونوں بہنیں ایک دوسرے مختلف ہیں ۔ بڑی بہن اکبری جہاں ضدی، بد مزاج، پھوہڑ، بد سلیقہ اور حد درجہ جھگڑالو ہے اسی کردار کی وجہ سے کہانی اپنے عروج کا پہنچتی ہے ۔ دوسری طرف چھوٹی بہن اصغری ہے جو بے حد سلیقہ مند، ہنر مند، عقل مند، حوصلہ مند، نرم مزاج، سائستہ زبان اور نیک سیرت ہے۔ اصغری نے اپنے اچھے کردار کی وجہ سے اپنے گھر اور سسرال کو خوشحال بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے بناۃ النعش 1873 میں تحریر کیا۔ اس ناول کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے جس میں لڑکیوں کو دستکاری اور عملی زندگی کی تعلیم دینے کے علاوہ مختلف قسم کی عام معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ توبۃ النصوح 1877 میں منظر عام پر آیا، بلاشبہ اسے ان کا بہتریں ناول کہا گیا ہے اس میں نصوح نام کے ایک شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو جان لیوا بیماری حیضہ میں مبتلا ہو کر بیماری حیضہ کا شکار ہو جاتا ہے اور نیند کی حالت میں ایک ایسا خواب دیکھتا ہے کہ قیامت کا دن ہے اور سبھی کے نامہ اعمال ان کے ہاتھ میں ہیں۔ نیند سے جاگنے کے بعد وہ اپنے گذرے ہوئے اعمال اور زندگی کو دیکھتا ہے۔ اس خواب کے بعد وہ سچی توبہ کرتا ہے اور اپنے بچوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے۔ کلیم اور مرزا ظاہر دار بیگ اس ناول کے دو بہترین کردار ہیں۔ محصنات 1885 میں شائع ہوا اس ناول کا موضوع ایک سے زیادہ شادی کے نقصانات کو بنایا گیا ہے۔ ابن الوقت 1888 میں تحریر کیا گیا ہے اس میں انگریزی تہذیب اور ہندوستانی تہذیب کا موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ ناول ان کے تمام زندگی کے تجربات، شیاسی و

سماجی بصیرت، تہذیبی شعور جرأت اور بے باکی کا آئینہ دار ہے۔اس کے بعد انہوں ناول ایامیٰ 1891 میں تحریر کیا، جس میں تجزیہ نفس کے ذریعہ کردار کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کو اجگر کیا ہے۔ نذیر احمد کا آخری نے رویائے صادقہ 1893 تحریر کیا جس میں انہوں نے مکمل انسان کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے تمام ناولوں میں اس زمانے کے مختلف در پیش مسائل کی مصوری کی ہے۔ان کا ہر ناول کسی نہ کسی اصلاحی مقصد کے قلمبند کیا گیا ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار

ڈپٹی نذیر احمد کی روایت کو آگے بڑھانے والے ناول نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار ہیں یہ ان کے ہمعصر تھے۔پنڈت رتن ناتھ سرشار کا پہلا ناول فسانہ آزاد لکھنؤ کے ''اودھ اخبار'' میں قسط وار شائع ہوا اور کتابی صورت میں پہلی بار 1885 میں منظر عام پر آیا۔ اس ناول کے ذریعہ سرشار نے لکھنوی تہذیب وتمدن اور آداب معاشرت کی سچی تصویر پیش کی ہے۔اس ناول میں سرشار نے لکھنؤ کا اس عہد کی سچی تصویر پیش کی ہے۔اس میں تمام طبقوں افراد مختلف پیشوں سے وابستہ ہوکر لکھنؤ کی مکمل معاشرتی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سرشار نے اس ناول کے ذریعے لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب وتمدن پر زبردست طنز کیا ہے۔اس ناول کے مختلف حصوں کا آپس یں ربط نہ ہوتے ہوئے بھی دلچسپ ہے۔اس ناول کے کامیابی کی وجہ اس کے زندہ و جاوید کردار آزاد اور خوجی ہیں۔اس کے علاوہ ان کے تصنیفات میں سیر کہسار، جام سرشار، کامنی، کڑم دھڑم، بچھڑی دلہن اور خدائی فوجدار قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر

مولانا عبدالحلیم شرر کا شمار ابتدائی دور کے اہم ناول نگاروں میں کیا جاتا ہے۔انہوں نے تاریخی ناول لکھ کر اسلام کے شاندار ماضی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔انہوں نے اردو میں تاریخی ناہل نگاری کا آغاز کیا شرر کو والٹر اسکارٹ کے تاریخی ناول ''تلسمان'' کا مطالعہ کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ اس نے اس ناول میں اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔ چنانچہ اس کے جواب میں انہوں نے تاریخی ناول لکھنے شروع کئے۔اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ملک العزیز ورجینہ، منصور موہنا، فردوس بریں، عزیز مصر، فلورافلورنڈا، فتح اندلس، زوال بغداد اور ایام عرب جیسے شاندار ناول قلمبند کئے۔ فردوس بریں ان کا سب کامیاب ناول ہے اس میں انہوں نے فرقہ باطنیہ کی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ حسین اور علی وجودی اس ناول کے اہم کردار ہیں۔ حسین اس ناول کا ہیرو ہے جو اپنی

احمقانہ عشق بازی اور مجمانہ سادہ لوحی میں بھی دلکشی رکھتا ہے۔ جبکہ علی وجودی فرقہ باطنیہ کی ایک اہم ہستی ہے اسی کی ذات پر اس فرقہ کی کامیابی کا انحصار ہے۔ شرر کی کردار نگاری کمزور ہے ان کے کردار حسن، زیاد، منصور اور عزیز میں میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا بلکہ سب ناولوں کے کردار ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ ناول نگاری کے علاوہ انہوں نے محشر اور دلگداز کے نام سے دو رسالہ بھی جاری کئے۔ 1887 میں انہوں نے دلگداز جاری کیا تھا اس یں انہوں نے ملک العزیز ورجینا، حسن انجلینا اور منصور موہنا ناول قسط وار شائع کئے تھے۔

علامہ راشد الخیری

ناول کی روایت کو آگے بڑھانے میں علامہ راشد الخیری اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں بہت سی تصانیف یار گار چھوڑی ہیں ان میں حیات صالحہ، بنت الوقت، منازل السائدہ، نانی عشو، جوہر قدامت، نوحہ زندگی، عروس کربلا، صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، سراب مغرب، سیدہ کالال، آمنہ کالال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علامہ راشد الخیری کی ناول نگاری پر نذیر احمد کا گہرا اثر نظر آتا ہے ان کے کئی ناول عورتوں کے مسائل پر لکھے ہیں۔ ان میں ان کے اصلاحی جذبے تبلیغی انداز اور خطابت کا اثر نمایاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول فنی اعتبار سے کمزور نظر آتے ہیں۔

علامہ راشد الخیری کو اردو کے ایک مسلم الثبوت انشا پردازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کو دہلی کی بیگماتی زبان پر ملکہ حاصل تھی ان کی عبارت یں تشبیہ واستعارات کے ساتھ ساتھ غضب کی رنگینی پائی جاتی ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ نثر میں شاعری کر رہے ہیں۔

اس کے بعد محمد علی طبیب اور منشی سجاد حسین نے اردو ناول کی روایت کو اگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ محمد علی طبیب نے کئی تاریخیں ناول تحریر کیے، جن میں نیل کا سانپ اور عبرت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

منشی سجاد حسین

اس دور کے ایک اور اہم ناول نگار "اودھ پنچ" کے ایڈیٹر منشی سجاد حسین ہیں۔ 1877 میں انہوں نے مشہور زمانہ ابار "اودھ پنچ" جاری کیا تھا، جو ہندوستان میں پہلا ذریفانہ اخبار تھا۔ حاجی بغلول، احمق الذہن، طرح دار لونڈی، میٹھی چھری، پیاری دنیا، کایا پلٹ اور حیات شیخ چلی وغیرہ ناول ان کے مخصوص انداز اسلوب کی مثال ہے۔ یوں تو اردو ناول میں ظریفانہ انداز کی ابتداء سرشار نے کی

تھی لیکن سجاد حسین پہلے مصنف ہیں جنھوں نے پورا ناول ظریفانہ انداز میں لکھا ہے۔ ان کی عبارت بلاغت، شستگی، نفاست، بے ساختگی، اور ظرافت کے ساتھ ضلع جگت اور لکھنؤ کی بولی ٹھولی سے بھی مالا مال ہوتی تھی۔

مرزا محمد ہادی رسوا

مرزا محمد ہادی رسوا 1858ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ رسوا کو لکھنے پڑھنے کا شوق ابتدا سے ہی تھا اس لیے ان کو ریاضی، موسیقی، کیمیا اور سائنس وغیرہ سے گہرا شغف تھا اس کے علاوہ رسوا کو عربی، فارسی، انگریزی زبان پر بھی دسترس حاصل تھی۔ مرزا رسوا بیک وقت شاعر بھی تھے اور ناول نگار بھی البتہ شاعری میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ انہوں نے چھ ناول تحریر کئے۔ کئی ناول ان میں ایسے تھے کہ وہ ان کی حیات میں ہی گمنامی کے اندھیرے میں کھو گئے تھے۔ ان کے تین ناول مشہو ہوئے ان مین ایک "شریف زادہ" جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ناول ان کی آپ بیتی ہے دوسرا ناول "ذات شریف" ہے ان میں اودھ پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد اعلیٰ طبقہ کے خاندانوں کے افراد جن پریشانیوں سے دوچار ہوئے ان ذکر ہے ۔ "امراؤ جان ادا" ناول ان کی وہ شاہکار تخلیق ہے، جس نے انہیں صف اول کے ناول نگاروں میں لا کر کھڑا ہی نہ کیا بلکہ اردو ادب کو ایسا شاہکار عطا کیا جو اردو کا پہلا ناول ہے جو فکری اور فنی اعتبار سے پوری طرح کامیاب ہوا یہ ناول 1899ء میں شائع ہوا۔ یہ اردو زبان کا پہلا ناول تھا جو اپنے گوناگوں خصوصیات کی بنا پر کسی بھی ترقی یافتہ زبان کے ناولوں کے ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے۔ امراؤ جان ادا ناول اسی نام کی ایک طوائف کی آپ بیتی بیان کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی لڑکی کی داستان ہے جسے اغوا کر کے ایک کوٹھے پر طوائف کے ہاتھ بیچ دی جاتی ہے۔ اس نے ساری زندگی طوائفوں کے درمیان ایک طوائف کے طور پر گزری لیکن اس دلدل سے نکلنے کے لئے اس کا شریف خاندان کا خون بار بار زور مارتا رہا لیکن وہ اس دلدل سے نکلنے یں کامیاب نہ سکی۔ اس ناول کی اہم خصوصیت یہ کہ اس میں لکھنؤ کی تہذیب، معاشرت، اور زوال پذیر اقدار سی سچی تصویر اس ناول میں پیش کی گئی ہے۔ رسوا نے اس ناول کے ذریعہ نسوانی کرداروں کی نفسیات اور اندرونی کیفیات کا گہرا اور جاندار تصویر پیش کی ہے۔ اس ناول میں میں انہوں نے کرداروں کے مزاج اور طبقے کے مطابق مکالمے پیش کئے ہیں۔ سب سے اہم بات اس قصہ کو سوانحی اور حقیقی رنگ میں دھال کر پیش کیا ہے۔ اس ناول میں مرزا رسوا نے فلیش بیک تکنیک کا استعمال کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔

منشی پریم چند کی ناول نگاری

پریم چند اردو کے پہلے ناول نگار ہیں، جنھوں نے زمینی مسائل و موضوعات کو ترجیحی طور پر اپنے ناولوں میں پیش کیا۔ ان کے ناولوں میں ہمیں پلاٹ کی ترتیب میں پختگی دیکھنے کو ملتی ہے اور زبان و بیان بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ صاف اور سلیس معلوم ہوتے ہیں۔

پریم چند کا پہلا ناول 'اسرارِ معابد' (8، اکتوبر 1903) بنارس کے ایک ہفتہ وار اخبار 'آوازِ خلق' میں قسط وار چھپنا شروع ہوا۔ دوسرا ناول ہم خرما و ہم ثواب (1907)، تیسرا ناول کشنا (1908)، چوتھا ناول جلوۂ ایثار (1912)، پانچواں ناول بازارِ حسن (1917)، چھٹا ناول گوشۂ عافیت (1920)، ساتواں ناول نرملا (1921)، آٹھواں ناول چوگان ہستی (1924)، نواں ناول پردۂ مجاز (1925)، دسواں ناول بیوہ (1927)، گیارہواں ناول غبن (1932)، بارہواں ناول میدانِ عمل (1932) تیرہواں ناول گئودان (1936) شائع ہوا۔ پریم چند کا پہلا ناول 'اسرارِ معابد' اور آخری ناول 'منگل سوتر' دونوں نامکمل ہیں۔

پریم چند کے ناولوں کے موضوعات

اسرارِ معابد — عبادت گاہوں میں لوگوں کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھا کر ان کا استحصال کرنا۔

ہم خرما و ہم ثواب — بیواؤں کے مسائل اور ہندوستانی معاشرے میں موجود معاشرتی برائیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

جلوۂ ایثار — قومی مسائل اور ملک و قوم کی خدمت کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک سوانحی ناول بھی ہے، جس میں سوامی وویکانند کی زندگی اور شخصیت کو ناول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

بازارِ حسن — حسن فروشی کے معاشرے پر اثرات اور شہروں میں رہنے والے متوسط طبقے کے مسائل اس کا بنیادی موضوع ہیں۔

گوشۂ عافیت — دیہاتی زندگی کے بنیادی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

نرملا — جہیز کی لعنت اور بے جوڑ شادیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی معاشرتی خرابیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

چوگانِ ہستی — اس میں اشتراکی مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

پردۂ مجاز—اس ناول کا بنیادی موضوع پنر جنم (دوبارہ جنم) ہے۔

بیوہ—بیوہ عورتوں کے مسائل اور ان کے حل کو موضوع بنایا گیا ہے۔

غبن—عورتوں میں زیورات کے شوق اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

میدانِ عمل—ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی کو ناول کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

گئودان—ہندوستانی کسانوں کی بدحالی، غربت اور ان کے استحصال کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے

پریم چند کی ناول نگاری کی خصوصیات

پریم چند ایک باشعور قلم کار تھے۔ ان کا ذہن حساس تھا۔ انھوں نے ہندوستانی عوام اور ان کے مصائب کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ مذہبی اور معاشرتی خامیاں بھی ان کے علم میں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند نے ناول اور افسانے میں مجبور اور ستم رسیدہ عوام کی ترجمانی کی اور ان کے مسائل کو پیش کیا۔

اسی طرح حقیقت نگاری پریم چند کے ناول کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ وہ زندگی کی سچائی کو واضح اور مؤثر انداز میں پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

اسلوب اِنتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ انھوں نے عام بول چال کی زبان میں کسانوں، مزدوروں اور مظلوموں کے جذبات واحساسات کو زبان عطا کی ہے۔

اردو ناول اور رومانوی رجحان

پریم چند کے بعد اردو ناول میں رومانوی رجحان کو فروغ ملا۔ اس دور کے اہم ناول نگاروں میں سجاد حیدر یلدرم، مجنون گورکھپوری، نیاز فتحپوری، قاضی عبد الغفار اور کرشن پرساد کول کے نام نمایاں ہیں۔ بعض ناقدین نے اسے رومانوی تحریک کے بجائے رومانوی رجحان قرار دیا ہے، کیونکہ ان ادیبوں کے درمیان کوئی باقاعدہ تنظیم، مشترک منشور یا واضح مقصد موجود نہیں تھا۔ رومانویت کو بنیادی طور پر جذباتی آرزومندی، حسن اور تخیل کی طرف میلان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رومانوی ناول نگاروں کے یہاں جمالیاتی احساس، حسن بیان، تخیل اور جذبات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تحریروں میں تشبیہات، استعارات، فطری مناظر، عورت، پھول، خوشبو اور بہار کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔ زبان کی شکستگی، شیرینی اور نغمگی بھی ان کے اسلوب میں نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے اسلوب کی ایک اور نمایاں خصوصیات فکری سطح پر فرد کی آزادی ذہنی خود مختاری فکر و عمل کی آزادی، ماضی سے وابستگی، خواب وخیال اور اساطیر عناصر ان کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں۔

سجاد حیدر یلدرم

ایک معروف رومانوی ناول نگار ہیں ان کے ناول حیثیت تخیل اور فنکارانہ احساس نمایا طور پر ملتا ہے۔ بیان اور اسلوب کا حسن ان کی تحریروں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ وہ فطری مناظر وخوبصورت چہروں کے بیان میں اپنا زور قلم صرف کرتے ہیں اور جزوی تفصیلات کے بیان میں بعض اوقات مبالغے کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ حسن بیان پر ان کی توجہ کا یہ عالم ہے کہ زندگی کے تکلیف، کرخت اور ناپسندیدہ واقعات کو بھی وہ نہایت حسین اور دلکش انداز میں پیش کرنے ہنر جانتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واقعہ کی ناگواری کم محسوس ہوتی ہے اور اس کا حقیقی اثر کسی حد تک زائل ہو جاتا ہے۔ ان کے مشہور ناول ثالث بخیر، مطلوب حسینا، زہرہ، آسیب الفت اور ہما خانم ہیں۔

نیاز فتح پوری نیاز فتح پوری

اپنی قدرت بیانی شاعرانہ ندرت سے خیال اور تخیل کی رنگینی کے لیے معروف ہیں۔ ان کے ناول بیانیہ انداز میں لکھے گئے ہیں اور ان میں وہ خود ایک ہمادان راوی کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں زندگی کی حقیقتوں کے مقابلے میں فلسفہ زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ان کے کرداروں کے جذبات اور ان کی رنگینی جس خوبی سے سامنے آتی ہے، کرداروں کی گہری نفسیات اسی تناسب سے واضح نہیں ہو پاتی۔ ناول نگار کی حیثیت سے انہیں وہ مقام نہیں مل سکا، جس کے وہ مستحق تھے حالانکہ ان کے ناول فنی اور ادبی خوبیوں سے بھرپور ہیں۔ شہاب کی سر گزشت، شاعر کا انجام ان کے مشہور نال ہیں۔

مجنون گورکھپوری

مجنون گورکھپوری کا نام بھی رومانوی ناول نگاروں میں اہمیت کا حامل ہے۔ فنی اعتبار سے ان کے ناول اس عہد کے دوسرے ناولوں سے مختلف ہیں۔ ان کے ناولوں میں پلاٹ تو موجود ہوتا ہے، لیکن کرداروں کی تعمیر بعض اوقات نامکمل رہ جاتی ہے، ان کے کردار

حقیقی دنیا میں عملی زندگی گزارنے کے بجائے اپنے تصورات اور تخیلات کی دنیا میں زیادہ رہتے ہیں۔ صید زبوں، سوگوار شباب، سراب اور زیدی کا حشر جیسے ناول لکھکر انہوں نے ناول کی روایت کو بڑھایا۔

قاضی عبدالغفار

قاضی عبدالغفار کے ناول اپنی فنی اور تکنیکی خصوصیات کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے بعض ناول ڈائری اور خطوط کی طرز پر لکھے گئے ہیں۔ ان کی تحریروں میں رومانویت، حسن بیان، سماجی حقائق، تخیل اور جذبات کا امتیاز ملتا ہے۔ یہی خصوصیات ان کے ناولوں کو اس دور کے دوسرے ناولوں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کے اہم ناول مجنون کی ڈائری اور لیلی کے خطوط اہم ہیں۔

اردو ادب میں رومانوی رجحان زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا۔ اس کے عدم قبولیت کی متعدد وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم وجہ حقیقت پسندیدی سے شدید انحراف ہے۔ رومانوی ناول نگار معاشرے کی حقیقتوں کو سادگی اور براہ راست بیان کرنے کے بجائے انفرادی، تخیلات، جذبات اور خوابوں کو خوبصورت اور پر تکلف انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے ناولوں میں کردار نگاری کا فقدان بھی واضح طور پر محسوس کیا جاتا ہے، بعض اوقات کردار حقیقی زندگی سے کٹے ہوئے اور تخیل کی دنیا میں گم دکھائی دیتے ہیں۔ فنی اعتبار سے بھی یہ ناول مغرب میں لکھے گئے بعض نعمان بن ناولوں کے مقابلے میں کمزور محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اردو ناول کی تاریخ میں رومانوی رجحان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس رجحان نے اردو ناول میں حسن بیان جمالیاتی احساس تخیل جذبات فرد کی ازادی اور خوبصورت اسلوب کو فروغ دیا اور اردو ناول کے فنی ارتقا میں ایک اہم مرحلہ ثابت ہوا۔

ترقی پسند تحریک اور اردو ناول

اردو ادب کی تاریخ میں بیسویں صدی اہم تبدیلیوں کی صدی رہی۔ اس صدی کی چوتھی دہائی میں ترقی پسند تحریک نے اردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے، جس کی وجہہ سے ادب شاہی سرپرستی سے نکل کر عوام کی دہلیز پر آگیا۔ اس تحریک نے پہلے ادیبوں اور شعراء کے ذہنوں پر اثر کیا اور ادباء و شعراء نے ادبی اصناف میں طبع آزمائی کے ذریعے عوام کے دلوں راج کیا۔ ترقی پسندوں نے ادب کو افسانہ اور ناول نگاری کو بھی بام عروج پر پہنچایا۔

ترقی پسند تحریک اردو ادب کیلئے ایک نئ تحریک تھی جو بیسویں صدی کے چوتھے دہائی میں وجود میں آئی، اس تحریک کا آغاز

دراصل 1917ء کے روسی انقلاب کے زیر اثر ہوا۔ ہندوستان پر بھی اس واقعہ کے گہرے اثرات پڑے اور ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں تیزی آئی۔ سیاسی کشمکش کی بدولت نوجوان طبقے میں اشتراکی رجحانات کو فروغ حاصل ہوا۔ شعراء اور ادباء لینن اور کارل مارکس کے نظریات سے متاثر ہی نہیں ہوئے بلکہ اسے انہوں نے ان نظریات کو خوب فروغ دیا۔ سجاد ظہیر اور ملک راج آنند نے لندن میں مقیم ہندوستانی طلباء کے ساتھ ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کا قیام عمل میں لایا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین جو ترقی پسند تحریک کے نام سے مشہور ہوئی، جس کے قیام کا مقصد فن اور ادب کو رجعت پرستوں سے آزادی دلانا، ادب کو عوام کے قریب لانا، ادب کے ذریعہ سماجی مسائل کو پیش کرنا، ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرنا اور واقعیت اور حقیقت نگاری پر زور دینا تھا۔ ترقی پسند تحریک کے ان مقاصد کو لوگوں نے پسند کیا اور اس تحریک کا خیر مقدم کیا۔ اس تحریک کو منشی پریم چند جیسے نامور ادیب و مشہور افسانہ نگار کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس تحریک سے اتفاق رکھنے والوں میں منشی پریم چند، جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر عابد حسین، نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار، فراق گورکھپوری، مجنوں گورکھپوری، علی عباس حسینی، سردار جعفری، جاں نثار اختر، مجاز، حیات اللہ انصاری اور خواجہ احمد عباس کے نام شامل ہیں۔

ترقی پسند تحریک روح رواں ادیب سجاد ظہیر نے اپنے ناول ''لندن کی ایک رات'' میں ناول کو نئی ٹکنیک سے ہمکنار کیا اور ادب میں شعور کی رو کی ٹکنیک کا استعمال کامیابی کے ساتھ کیا ہے۔ سجاد ظہیر نئے ناول ''لندن کی ایک رات'' میں اپنا دانشورانہ جذبات و احساسات اور داخلی اظہار خیال کی تکنیک سے تخلیقی حسن کو پیراہن بخشا یہ ناول سجاد ظہیر کی وہ نثری کاوش ہے جو 1938ء سے اب تک مسلسل شائع ہوتی رہی ہے۔ ادب کے اس میدان میں خواتین نے بھی اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے۔ عصمت چغتائی نے ''ضدی'' اور ''ٹیڑھی لکیر'' جیسے شہکار ناول لکھے اور خواتین پر ہونے والے ظلم وستم کو پیش کیا۔ اس ناول میں انہوں نے متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں کی ذہنی ونفسیاتی ہیں زندگی کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے لڑکیوں کو بے جا ڈانٹ پھٹکار، احساس محرومی اور احساس کمتری سے بچے کس طرح متاثر ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کس طرح مختلف نفسیاتی مسائل کا شکار ہوجاتی ہے اس کی عکاسی اس ناول میں ''شمن'' نام کے کردار کے ذریعے کی ہے۔ کہ کس طرح اس کی زندگی تباہ ہوجاتی ہے۔

کرشن چندر نے اپنے شہکار ناول شکست، جب کھیت جاگے لکھ کر ناول کے فن کو فروغ دیا اور معاشرے میں پچھلی طبقاتی زندگی کے مسائل کو پیش کیا۔ کرشن چندر نے ناول ''شکست'' میں ہندوستانی معاشرے میں ذات پات اور معاشی نہ برابری سے پیدا ہونے والے مسائل کو موضوع بنایا ہے اس ناول میں 1940 کے اس پاس کے زمانے کے سماجی انتشار بے چینی اور کرب کو بخوبی اجاگر کیا

ہے یہ وہ دور تھاجب زمانہ اور حالات کے تحت نوجوانوں کی سوچ اور فکر میں بدلاؤ ارہا تھااس ناول میں پھر سودانظام اور جدید ذہن رہنے والے نوجوانوں کے مابین کشمکش پیش گئی ہے۔ ”ایک گدھے کی سرگزشت“ میں کرشن چندر نے گدھے کو مزدور اور محنت کش طبقے کے استعارہے کے طور پر پیش کیا۔

عزیز احمد بھی ترقی پسند تحریک کا حصہ تھے انہوں نے ”ایسی بلندی ایسی پستی، گریز، شبنم، آگ اور ہوس جیسے بہترین ناول لکھ کر اردو ادب کومالا مال کیا۔ ترقی پسند تحریق سے وابستہ خواتین ناول نگاروں یں سب سے اہم نام قرۃالعین حیدر کا ہے انہوں نے اپنے ناولوں ”میرے بھی صنم خانے، سفینۂ دل، آخری شب کے ہم سفر، آگ کا دریا کے ذریعے اردو کے صف اول کے گاروں میں اپنامقام بنا لیا۔

ترقی پسند ناول نگاروں ایک اہم ناوم عزیز احمد کا ہے۔ ان کے ناول گریز اور ایسی بلندی ایسی پستی بے حد اہم ہے۔ گریز میں پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان کے پر آشوب دور کی تباہ برباد یورپ کے منتشر زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس میں دوسری جنگ عظیم کے اثرات بیسویں صدی کے غیر یقینی صورتحال بیان کیا گیاہے ایسی بلندی ایسی پستی میں عزیز احمد نے حیدرآباد کے زوال آمادہ معاشرے کی اعلی طبقے کی زندگی کی حقیقی عکاسی کی ہے۔

بہرحال اس بات سے انکار نہیں کے ترقی پسند تحریک نے اردوادب پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں خصوص ادب میں زندگی کی حقیقتوں کو بیان کرنا اور عام انسانوں کے مسائل، خواتین کے خلاف ظلم وستم ناانصافی، دیہاتیوں کا استحصال یہ ایسے مسائل تھے جن کو پیش کرنا نہایت ضروری تھا۔ تاکہ عوام میں شعور کو بیدار کیا جائے ان کے معمولات زندگی کو تبدیل کیا جائے استعماری قوت کے خلاف ان کو متحد کیا جائے تاکہ وہ جدوجہد کریں اور اپنے حق کو حاصل کریں۔

ڈاکٹر قمر رئیس ترقی پسند ناول نگاروں کے تجربات سے متعلق لکھتے ہیں:

عام بیانیہ اور حقیقت پسندانہ روایت سے ہٹ کر بھی ترقی پسند ادیبوں نے ناول کے میدان میں اہم تجربے کیے ہیں خواجہ احمد عباس نے اپنے ناولٹ ”سیاہ سورج سفید سایے““ میں اشتراکی جمہوریت کے راستے پر گامزن نو آزاد ملکوں کے خلاف سامراجی طاقتوں کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ کرشن چندر کے نیم تمثیلی قصے اور فنطاسیے بھی عصر حاضر کے تضادات کے گہرے شعور کی غمازی کرتے ہیں۔ ‘(ترقی پسند تحریک اور اردو ناول، تنقید تناظر، ص 171)

تقسیم ہند پر لکھے گئے اہم ناول

ترقی پسند تحریک شروع ہوئے ابھی چند سال ہی گذرے تھے کہ تقسیم ہند کا المناک واقعہ پیش آیا 15 اگست 1947 کو ہندوستان کو جہاں برطانوی سامراج چھٹکارا حاصل ہوا وہیں دوسری جانب ہندوستان کا بٹوارہ بھی ہو گیا۔ بٹوارے سے چارون طرف اطمینانی ،مایوسی، اجنبیت، نیز ذہنی وجذباتی انتشار کی شدت میں اضافہ ہو۔ ایسے حالات نے ملک بھر کے ادیبوں کو بھی بہت متاثر کیا۔ اس دل برداشتہ واقعہ نے اردو ادباء کو قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس المناک واقعہ پر قرۃ العین حیدر نے ''آگ کا دریا'' اور ''میرے بھی صنم خانے'' رامانند ساگر نے ''اور انسان مر گیا'' خدیجہ مستور نے ''زمین'' اور ''آنگن'' قدرت اللہ شہاب نے ''یا خدا'' عبد اللہ حسین نے ''اداس نسلیں'' کرشن چندر نے ''غدّار'' قاضی عبد الستار نے ''شکست کی آواز'' اور غبار شب، نسیم حجازی نے ''خاک اور خون'' رئیس احمد جعفری نے ''مجاہد'' وغیرہ میں بھی تحریر کئے۔

قرۃ العین حیدر کا مقبول ترین ناول ''آگ کا دریا'' ہے۔ اس ناول میں انہوں نے ہندوستان کی کوڈھائی ہزار برسوں کی تہذیبی تاریخ کو تقریباً 600 صفحات میں بیان کر دیا ہے۔ یہ ناول ان کی تاریخی بصیرت کے ساتھ ساتھ تکنیک اور فن کے اعتبار سے بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ اس ناول میں پہلی بار تاریخ کے لامتناہی تسلسل کو چند مخصوص کرداروں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اس میں شعور کی رو تکنیک کو کامیابی سے برتا گیا ہے اس میں پلاٹ کا روایتی تصور بھی ٹوٹتا ہو نظر آتا ہے۔ اس میں واقعات کے ارتقا سے زیادہ فرد کی زندگی اور اس کی ذہنی وجذباتی کی کیفیت عکاسی پر زور دیا گیا ہے۔ اس ناول کا کردار گوتم، ہری شنکر، چمپا اور کمال وغیرہ علامتی طور سے مختلف زمانوں میں نام کی ذرا سی تبدیلی کے ساتھ ہمارے سامنے آکر برصغیر کی تاریخی وہ تہذیبی کڑیوں کو تسلسل عطا کرتے ہیں۔

جدیدیت اور اردو ناول

ترقی تحریک کے ہی زمانے میں ایک نئی نسل نے اردو ناول نگاری میں قدم رکھا۔ موضوع اور تکنیک کے اعتبار سے یہ ناول ترقی پسند تحریک کے زیر اثر لکھے گئے ناولوں سے الگ نہ تھے۔ البتہ ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا، نئے نئے وضوعات پر ناول لکھے گئے۔ ناول نگاری کے یدان یں جس نئی نسل نے قدم رکھا اور اس یدان میں اپنی انفرادیت اور شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوئی ان میں شوکت صدیقی ''خدا کی بستی''، ''جانگلوس'' ممتاز مفتی ''علی پور کا ایلی''، جمیلہ ہاشمی ''تلاش بہاراں'' اور ''آتش رفتہ''،

عبد اللہ حسین ''اداس نسلیں''خدیجہ مستور''آنگن''اور''زمین''قاضی عبد الستار''شب گزیدہ''،''دارالشکوہ''،''غالب''اور''خالد بن ولید''راجندر سنگھ بیدی''ایک چادر میلی سی''انتظار حسین''چاند گہن''،''بستی''،''تذکرہ''اور''آگے سمندر ہے''حیات اللہ انصاری''لہو کے پھول''جیلانی بانو''ایوان غزل''اور عبد الصمد''دو گز زمین''قابل ذکر ہیں۔

عبد اللہ حسن نے''اداس نسلیں''میں پہلی جنگ عظیم سے ہندوستان کی آزادی کے فورا بعد تک کے حالات کو موضوع بنایا اس ناول میں جس نسل کو موضوع بنایا گیا اس سے تعلق رکھنے والے افراد کا المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے نصب العین اور سمت کا تعین کرنے سے قاصر ہیں اسی کی وجہ سے وہ ہمیشہ مسائل یں گھرا رہتا ہے۔

شوکت صدیقی نے''خدا کی بستی''میں نو تشکیل شدہ پاکستانی معاشرے کے شہری ماحول کی بد عنوانی اور کمزور لوگوں کے استحصال کی عکاسی کی ہے۔حیات اللہ انصاری کا ناول''لہو کے پھول''اردو کے ذخیم ناولوں میں سے ایک ہے،جو 1911 کے دہلی دربار سے شروع ہو کر جدوجہد آزادی، تقسیم ہند، فرقہ وارانہ فسادات، گاندھی جی کے شہادت اور پہلے پنج سالہ منصوبے کا ذکر پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

جیلانی بانوں کا ناول''ایوان غزل''میں انہوں نے حیدر آباد کے زوال پذیر جاگیر دارانہ نظام کی کھوکلی روایات اور اقدار کی تصویر کشی بڑی دلکش انداز میں کی ہے۔راجیندر سنگھ بیدی نے اپنے ناول''ایک چادر میلی سی''میں پنجاب کے دیہاتوں میں رہنے والی عورتوں کے حالات اور ان کے مسائل ذکر کیا ہے۔انتظار حسین نے''بستی''میں ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان اور بنگلہ دیش جانے والے افراد کے المناک مسائل کو بہت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

اکیسویں صدی میں اردو ناول

اکیسویں صدی میں اردو ناول نگاروں نے نئے موضوعات، نئے فکری رجحانات اور نئے فنی تجربات کے ساتھ ایک نئے سمت اختیار کی ۔اس دور کے ناول نگاروں نے بدلتے ہوئے معاشرے، سیاسی و سماجی حالات، تہذیبی تبدیلیوں، انسانی رشتوں، تنہائی، ہجرت، شخصی شناخت کو موضوع بنایا۔ اس دور کے ناول نگاروں نے روایتی انداز بیان کے ساتھ ساتھ نئے تجربات بھی کئے۔ اکیسویں صدی میں جن ناول نگاروں نے اپنے فن کا لوہا منوایا ان میں شمس الرحمٰن فاروقی''کئی چاند تھے سر آسماں''، مستنصر حسین تارڑ''بہاؤ، راکھ، اے غزال شب ڈاکیا''، خالد جاوی''موت کی کتاب، نعمت کھانہ، ایک خنجر پانی میں''، سید محمد اشرف''آخری سواریاں''، غضنفر''

پانی، دالان، مانجی"، مشرف عالم ذوقی، پو کے مان کی دنیا، لے سانس بھی آہستہ"۔ پیغام آفاقی "مکان، پلیتہ"، شموئل احمد "ندی، مہا ماری"، رحمٰن عباس "خدا کے سائے میں آنکھ مچولی، ایک ممبئی کی"، ترنم ریاض "برف آشنا پرندے وغیرہ نے ناول کے فن کو فروغ دیا۔

ڈپٹی نذیر احمد اور ناول توبۃ النصوح

1.4 اغراض و مقاصد

1۔ طلبہ ڈپٹی نذیر احمد کی حیات اور تصنیفات کے بارے میں متعارف ہوں گے۔ن

2۔ طلبہ ناول توبۃ النصوح کا خلاصہ بیان کر سکیں گے۔

3۔ طلبہ ناول کا تنقیدی جایزہ بیان کر سکیں گے۔

4۔ طلبہ مصنف کے ناول لکھنے کے مقصد کو جان سکیں گے۔

1.4.1 ڈپٹی نذیر احمد کی حیات

نذیر احمد کی پیدائش 6 دسمبر 1836 کو ضلع بجنور میں ہوئی۔ ان کے والد مولوی سعادت علی معلم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد اورنگ آبادی مدرسہ دہلی میں مولوی عبد الخالق سے تعلیم حاصل کی۔ اس وقت وہ پنجابی کٹرے کی مسجد میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں دینی مدرسے کے زیادہ تر طالب علموں کو بستی کے گھروں سے روٹیاں لانی پڑتی تھی۔ نذیر احمد کو بھی اپنے کھانے کا انتظام اسی طرح کرنا پڑا۔ نذیر احمد مولوی عبد الخالق کے گھر سے بھی روٹیاں لاتے تھے۔ جہاں ایک لڑکی (جو بعد میں نذیر احمد کی شریک حیات بنی) ان سے روٹی کے بدلے مصالحے پسواتی تھی۔ اور کبھی کبھی مصالحہ پیسنے میں سستی کی وجہ سے انگلی پر سل کا بٹہ بھی مار دیتی تھی۔ خود نذیر احمد نے لکھا ہے کہ؛"ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا، ادھر ان کی لڑکی نے ٹانگ لی۔ جب تک سیر دو سیر مصالحہ مجھ سے نہ پسوا لیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا ٹکڑا دیتی... خدا جانے کہاں سے محلہ بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی۔ پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا، بخدا جان سی نکل جاتی تھی۔"

مدرسہ کی تعلیم کے بعد نذیر احمد نے دلی کالج میں داخلہ لیا، یہاں انہیں وظیفہ بھی مل گیا۔ دلی میں 8 سال گزارنے کے بعد ملازمت سلسلہ میں گجرات پہنچے۔ جہاں 80 روپئے ماہوار پر انہوں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ بعد ترقی کرتے ہوئے وہ کانپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ 1857 کے انقلاب کے وقت دہلی واپس آئے۔ یہاں سے نظام دکن نے انہیں حیدر آباد بلالیا جہاں انہیں دفاتر کا معائنہ اور کارکردگی کی مفصل روداد پیش کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ نذیر احمد نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا اس لیے انہیں ترقی ملتی گئی۔ وہ صدر تعلقہ دار بن گئے۔ اس دوران انہوں نے نظام دکن کے بچوں کو پڑھانے کا بھی کام کیا۔

ڈپٹی نذیر احمد جب جالون میں تھے تو انہیں بچوں کے لیے کچھ کتابوں کی ضرورت محسوس ہوئی مگر وہ دستیاب نہ ہو سکیں تو انہوں نے خود بچوں کے لیے کتابیں لکھنے کا کام شروع کر دیا۔ 'مراۃ العروس' 'منتخب الحکایات' وغیرہ ان کی اپنے بچوں کے لیے لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔

اردو کا پہلا ناول مراۃ العروس ڈپٹی نذیر احمد نے 1869 میں لکھا۔ یہ ناول ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے لکھا تھا۔ لکھتے وقت ان کو یہ احساس نہیں تھا کہ وہ اردو کا پہلا ناول لکھ رہے ہیں اس کو لکھنے کا مقصد صرف اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت تھا۔ اس ناول میں انہوں نے دو بہنوں اکبری اور اصغری کی سبق آموز کہانی کو پیش کیا ہے، بڑی بہن اکبری کی پرورش اس نے نانا کے گھر پر بڑے لاڈ پیار سے ہوئی تھی، وہیں چھوٹی بہن کی پرورش اپنے گھر یعنی والدین کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ عادات و اطوار کے اعتبار سے دونوں بہنیں ایک دوسرے مختلف ہیں۔ بڑی بہن اکبری جہاں ضدی، بدمزاج، پھوہڑ، بدسلیقہ اور حد درجہ جھگڑالو ہے اسی کردار کی وجہ سے کہانی اپنے عروج کا پہنچتی ہے۔ دوسری طرف چھوٹی بہن اصغری ہے جو بے حد سلیقہ مند، ہنرمند، عقل مند، حوصلہ مند، نرم مزاج، شائستہ زبان اور نیک سیرت ہے۔ اصغری نے اپنے اچھے کردار کی وجہ سے اپنے گھر اور سسرال کو خوشحال بنا دیتی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے بنات النعش 1873ء، توبۃ النصوح 1877ء، محصنات 1885ء، ابن الوقت 1888ء، ایامیٰ 1891 میں تحریر کیا، نذیر احمد کا آخری نے رویائے صادقہ 1893 تحریر کیا جس میں انہوں نے مکمل انسان کی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے تمام ناولوں میں اس زمانے کے مختلف درپیش مسائل کی مصوری کی ہے۔ ان کا ہر ناول کسی نہ کسی اصلاحی مقصد کے قلمبند کیا گیا ہے۔

1.4.2 توبۃ النصوح کا خلاصہ

توبۃ النصوح ڈپٹی نذیر احمد کا تیسرا ناول ہے، جس کو ان کا شاہکار ناول کہا جاتا ہے۔ یہ ناول 1877 عیسوی میں شائع ہوا۔ اس ناول کا قصہ نصوح کے خواب سے شروع ہوتا ہے۔ وہ خواب جو نصوح دیکھتا ہے یہی کہانی کے ارتقاء کے لئے بہت اہم ہے۔ ایک بار دہلی میں ہیضہ کا اتنا زور ہو کہ کوئی گھر میت سے خالی نہ رہا۔ نصوح کے کئی رشتہ دار اور والد بھی اس بیماری کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ نصوح اس بیماری سے بچنے کے لیے ہر تدبیر کرتا ہے لیکن اس بیاری میں مبتلہ ہو جاتا ہے اور دن بدن اس کی حالات خراب ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ یونانی اور انگریزی دوائی جس کا انتظا اس نے پہلے ہی کر لیا تھا وہ بھی کسی کام نہ آئی۔ اسی اثنا میں پڑوس کے حکیم کو طلب گیا انہوں نے انہیں دوائی دی اور کہا کہ اگر انہیں نیند آگئی تو ان کی جان بچ جائیگی۔ نصوح کو نیند کی ایک جھپکی آئی تو یہ خواب آیا کہ حشر کا میدان برپا ہے اور نفسی نفسی کے عالم میں نصوح کی ملاقات اپنے والد سے ہوتی ہے تو باپ نے انہیں خلوص، خشوع، تقویٰ، نماز اخلاص، دنیا کا سیاحت گاہ ہونے، ہم دردی گساری، موت کی یاد، توبہ واستغفار، ندامت و حسرت، اپنے اعمال اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر بات کی۔

نصوح کی جب آنکھ کھلی تو عزیز و اقارب نے بات کرنا چاہی لیکن اس نے انہیں کوئی جواب نہ دیا اور اپنے خواب کے بارے میں متفکر رہا اور چوچتا تھا کہ اس کا باپ کتنا نیک اور پرہیز گار تھا لیکن اس کے گناہوں کی وجہ سے قید میں تھا۔ اور سوچتا تھا کہ اس کے بچے کیسے ہیں کوئی بھی نیک نہیں ہے۔ اس نے خواب کا ذکر اپنی بیوی سے کیا اور خاندان کے مذہبی حالات پر اور اس کی اصلاح پر گفتگو کی، رحت الٰہی سے مایوس بیوی کو سمجھایا کم سے کم ہم کوشش کریں تو شاید بچے نیکی کے راستہ پر گامزن ہوں۔ خواب سے اٹھنے کے بعد اس نے خود سچی توبہ کی۔

سب سے پہلے اس کی بیوی فہمیدہ اپنی چھوٹی بیٹی حمیدہ سے بات کرتی ہے اس کے بعد چھوٹے بیٹے سلیم سے نصوح گفتگو کرتا ہے۔ اس بات کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت بی اور ان کے لڑکوں کے اثر سے پہلے ہی نیکی کی راہ پر لگا ہوا ہے۔ جب نصوح اپنے بیٹے سلیم سے باتیں کر رہا تھا اسی وقت نیچے ہنگامہ چل رہا تھا۔ بڑی بیٹی نعیمہ جس کی شادی دو برس پہلے ہی ہوئی تھی اس کا پانچ مہینہ کا بیٹا تھا۔ لاڈ پیار نے نعیمہ کو منھ پھٹ بنا دیا تھا سسرال سے لڑ کر میکے میں آبیٹھی تھی۔ اس نے نماز پڑھتے وقت حمیدہ کو ایسی لات

ماری کہ اس کے ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اسی بات پر ماں اور بیٹی میں لڑائی ہو رہی تھی۔ نصوح اس سے خود بات کرنا چاہتا تھا لیکن بیوی کے منع کیا کہ وہ اس کی سہیلی صالحہ کو بلائے اور اس سے گفتگو کرے۔ صالحہ آتی ہے نعیمہ اس کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

اس کے بعد وہ اپنے بڑے بیٹے کلیم کو مطلع کیا۔ علی اور اس کے چھوٹے بھائی نے اسے خوب سمجھایا کہ والد صاحب سے ملاقات کر لے اور اس کی بات مان جائے لیکن کلیم نہ مانا۔ شام کے وقت کلیم دوستوں کے ساتھ تاش کھیلنے یں مصروف رہاماں نے خوب سمجھانے کی کوشش کی لیکن کلیم کہتا رہا کہ بیمار پڑ کر ابا کو دوائی کی وجہ سے خلل دماغ ہوا ہے۔ اس کے بعد کلیم گھر چھوڑ دیتا ہے۔ نصوح اسے تلاش کرتا ہے کہ شاید اپنے کمرہ میں اس نے کوئی پیغام چھوڑا ہو لیکن علی کہتا ہے کہ بھائی نے کوئی پیغام نہیں چھوڑا ہو گا۔ علیم سے نصوح کو پتا چلتا ہے کہ اس نے دو کمرہ لے رکھے تھے، ایک کمرہ کا نام اس نے ”عشرت منزل“ رکھا تھا اور دوسرے کا نام ”خلوت خانہ“، یہ سن کر نصوح چونک جاتا ہے اور غصہ یں آکر اس کا بیہودہ کتب خانہ جلا دیتا ہے۔

گھر سے نکلنے کے بعد کلیم سب سے پہلے مرزا ظاہر دار بیگ سے پاس جاتا ہے۔ جب کلیم کو مرزا گھر کے دروازے پر دیکھتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں اور آپ کے ساتھ چلتا ہوں، جب کلیم نے رات رکنے کا کہا تو مرزا کلیم کو ایک ویران سی مسجد میں ے گیا جہاں چمگادڑوں اور کبوتروں نے اپنا ڈیرا ڈالا ہوا تھا۔ کلیم نے جب اس سے کہا کہ کھانے کو بندوبست کیا جائے تو رزا کہتا ہے کہ آج اس کے گھر چولہا ہی نہیں جلا۔ وہ اسے چنے لا کر دیتا ہے کسی طرح رات کٹتی ہے۔ صبح جب کلیم کی آنکھ کھلی تو اس ٹوپی، جوتی، رومال، چھڑی، تکیہ، دری سب غائب تھی۔ مرزا کا انتظار کرتے کرتے دوپہر ہو گئی۔ کلیم سے رہا نہ گیا تو مرزا کے گھر دستک دی تو بیوی نے تکیہ، دری وغیرہ وصول کرنے کے لئے مرزا زبردست کو اس کے پیچھے دوڑا دیا، وہ کلیم کو کوتوال کے پاس لے گیا۔ سپاہی کلیم نصوح کے پاس لے گئے جہاں ان کی رہائی ہوئی۔ نصوح نے مسجد سے نکلتے وقت اسے بہت سمجھایا لیکن نہ مانا اور کہا کہ اس شرط پر گھر چل سکتا ہے کہ اسے اس کی ضرورت کا سامان لینے کی اجازت دی جائے۔ اس کے بعد کلیم کی ملاقات مرزا فطرت سے ہوتی ہے۔ جو اسے اور برباد کر دیتا ہے اور باپ کی بات نہ ماننے کی صلاح دیتا ہے۔

جب کلیم کو ہر جگہ رسوائی ملی تو وہ نوکری کی جستجو میں دولت آباد پہنچا جہاں اس نے رئیس دولت آباد تک رسائی کی کوشش میں قصیدہ تحریر کیا لیکن وہاں اسے مایوسی ملی۔ دولت آباد میں وہ جسم اور قوت کی بنیاد پر فوج میں کپتان مقرر ہوا۔ زور آور سنگھ کے خلاف فوجی کاروائی شریک ہوا، جہاں اس کے پاؤں زخمی ہوا اور کاٹنا پڑا۔ دولت آباد کے صدر اعظم دولت آباد نے علاج کا پورا خرچ

اٹھایااور دہلی بھجوادیا۔ جہاں یہ نصوح کے گھر جانے کے بجائے اپنی بہن نعیمہ کے گھر پہنچا، نعیمہ صالحی کے پاس رہ کر اپنی غلطیوں پر نادم ہوئی اور اپنی سسرال پہنچی تھی۔ جہاں اس کا علاج ناکام ہوااور موت کو قریب دیکھ کر سب سے خوب باتیں کیں اور کہا کہ مرتے وقت تین باتوں کی مجھے تسلی ہے کہ (1) توبہ کرچکاہوں (2) اچھے لوگوں کے بیچ مر رہاہوں (3) میری زندگی نمونہ عبرت ہوگی۔ بس ایک ہی آرزو ہے کہ والد صاحب مجھے معاف کردیں اتنا کہتے ہی اس کی روح پرواز کرجاتی ہے۔

آخر میں ہم اس ناول کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول اولاد کی تربیت کے بارے میں لکھا گیاہے اس ناول کے ذریعے یہ حقیقت روشن کی گئی ہے کہ اولاد کی محض تعلیم ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے پرورش اس طرح ہونی چاہیے کہ اس میں نیکی اور دینداری کے جذبات بھی ہوں۔ یہ ناول ایک مکالمے کی شکل میں ہے، اَیہ ناول میں خاندان کے سربراہ نصوح کی توبہ کے بارے میں ہے جسے ہیضہ ہوجاتاہے اور بستر مرگ کی حالت میں اپنی عاقبت کے حالات دیکھتاہے اور گناہوں سے توبہ کرلیتاہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنی بیوی اور بچوں کو راہ راست پر انے کی تلقین کرتا ہے چھوٹے بچے اس کی بات مان جاتے ہیں مگر بڑابیٹا کلیم اس کی بات نہیں مانتا۔ اس پوری کتاب میں گھریلو برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش اور اپنے بچے کو کیسے راہ راست پر لائیں بتایا گیاہے۔ یہ ناول 12 فصلوں پر مشتمل ہے۔

1.5 مشکل الفاظ کے معنی

الفاظ معنی

1۔ مشتق نکلاہوا

2۔ ترجمانی نمائیندگی

3۔ مربوط باہم جڑاہوا

4۔ تسلسل مسلسل جاری رہنا، لگاتار جاری رہنا

5۔ پیچیدہ الجھاہوا

6۔ تجسس جاننے کی خواہش، جستجو

7۔ تخیل خیال کرنا، خیال میں لانا

8۔ اسلوب انداز بیان، لکھنے کا ڈھنگ

9۔ مکالمہ باہمی گفتگو

10 رومانوی محبت وجذبات سے متعلق

11۔ جمالیاتی حسن وخوبصورتی سے متعلق

12۔ حقیقت نگاری حقیقیت کو پیش کرنا

1.6 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ ڈپٹی نذیر احمد کی کہاں پیدا ہوئے تھے۔

2۔ ڈپٹی نذیر احمد نے کہاں تعلیم حاصل کی۔

3۔ ڈپٹی نذیر احمد کی زندگی اور تعلیم کے بارے میں لکھیں۔

4۔ نصوح کے کردار پر روشنی ڈالئے۔

5۔ کلیم کے کردار سے آپ کیا سمجھتے ہیں اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

1.4.5 تفصیلی جوابات کے سوال

1۔ ڈپٹی نذیر احمد کی حیات اور تصنیفات پر مفصل روشنی ڈالئے

2۔ ناول توبۃ النصوح کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

3۔ توبۃ النصوح کی کرداروں پر تفصیل سے گفتگو کیجئے۔

1.7 مطالعہ کے لئے تجویز کردہ کتابیں۔

1۔ داستان سے افسانے تک   سید وقار عظیم

2۔ اردو ناول نگاری   سہیل بخاری، میر بلوچ

3۔ اردو ناول کا آغاز وارتقاء 1857ء سے 1914ء عظیم الشان صدیقی

4۔ ناول کا فن   ابوالکلام قاسمی

5۔ اردو کے پندرہ ناول   اسلوب احمد انصاری

6۔ اردو ناول کی تاریخ اور تنقید   علی عباس حسینی

اردو افسانہ آغاز وارتقاء اور اجزائے ترکیبی

2.1 اغراض ومقاصد

2 تمہید

2.1 مختصر افسانہ معنی وتعریف

2.2 اجزائے ترکیبی

2.2.1 پلاٹ

2.2.2 کردار

2.2.3 نقطہ نظر

2.2.4 زمان ومکاں

2.2.5 آغاز واختتام

2.2.6 وحدت تاثر

2.3 اردو افسانہ آغاز وارتقاء

2.3.1 تمہید

2.3.2 افسانہ کارومانوی دور

2.3.3 سماجی حقیقت نگاری کا دور

2.3.4 ترقی پسند تحریک میں اردو افسانہ

2.3.5 حلقہ ارباب ذوق اور نفسیاتی رجحان

2.3.6 جدیدیت اور اردو افسانہ

2.4 پریم چند اور افسانہ کفن

2.4.1 منشی پریم چند کی حیات و خدمات

2.4.2 منشی پریم چند کی افسانہ نگاری

2.4.3 پریم چند کی افسانہ نگاری کی خصوصیات

2.4.4 افسانہ کفن کا خلاصہ

2.5 مشکل الفاظ کے معنی

2.6 مختصر جوابات کے حامل سوالات

2.7 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.8 مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

اردو افسانہ آغاز و ارتقاء اور اجزائے ترکیبی

2.1 اغراض و مقاصد

1۔ طلبہ اردو افسانہ کیا ہے جان سکیں گے۔

2۔ افسانہ میں کون کون سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جان سکیں گے۔

3۔ طلبہ پریم چند کی حیات اور خدمات جان سکیں گے۔

4۔ طلبہ افسانہ کفن کا خلاصہ بیان کر سکیں گے۔

2 تمہید

اردو افسانوی ادب یعنی داستانوں کے لیے اس وقت تک فضا ساز گار ہوئی، جب تک انسان کو فرصت اور فراغت کے طویل لمحات میسر رہے۔ لیکن بیسویں صدی کی ابتداء میں ملک کے حالات بدل کر رکھ دیے۔ صنعتی انقلاب نے ملک کے تمام افراد کی زندگی کو اپنی گرفت میں لے کر لوگوں کو بالکل نئے حالات سے دوچار کیا، یعنی ملک کے باشندے اپنے معاشرتی، سیاسی، سماجی۔ اقتصادی مسائل میں الجھنے کے ساتھ ساتھ وقت کی کمی کو بھی شدت سے محسوس کرنے لگے۔ سید وقار عظیم نے تغیر و تبدل دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

"انسان کو اپنے تفریحی مشاغل میں قطر بیونت اور کاٹ چھانٹ کرنے پڑی تو اس کا وہ مجاز جسے کہانی سننے کا جذبہ ہمیشہ سے افسانے کی ایک ایسی صنف کا طلبگار ہوا، جو زندگی اور پن کو اس طرح سے ان کو ذہنی سرور وہ مسرت کا سرمایہ بھی ہاتھ لگے زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور اپنے ماحول کو حسین تر بنانے کی ارزو میں پوری ہو اور اس کے باوجود اتنی مختصر ہو کے وقت پر اس کی گرفت مضبوط رہے وہ اپنے بے شمار مشاغل میں سے بھی کہانی پڑھنے کا وقت نکال سکے زمانے نے یہ سب تقاضے اور انسان کی یہ سب ضرورت ہیں مختصر افسانے کی تخلیق کی بنیاد بنی۔" (داستان سے افسانے تک، صفحہ نمبر 20)

2.1 مختصر افسانہ معنی و تعریف

مختصر افسانے کی ابتدا انیسویں صدی کے شروع میں امریکی مصنف واشنگٹن اردن کے ہاتھوں ہوئی، جس نے ”اسکیچ بک“ لکھ کر افسانے کا پہلا نمبر پیش کیا۔

افسانے کے لغوی معنی جھوٹی بات، سرگزشت، قصہ، کہانی یا داستان کے ہیں۔ مختصر الفاظ میں افسانہ نثر کی وہ مختصر کہانی ہے جس میں زندگی کے کے کسی ایک پہلو یا واقعہ کو فنکارانہ طور پر پیش کیا جائے جس کے قاری کے ذہن پر گہرا اثر نقش کر دے۔

ایڈگر ایلن پو کے مطابق ”افسانہ ایک ایسی بیانیہ صنف نثر ہے جو اتنی مختصر ہو کے ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے، جسے قاری کو متاثر کرنے کے لیے لکھا گیا ہو اور جس سے وہ تمام غیر ضروری اجزا نکال دیے گئے ہوں جو تاثر کو قائم رکھنے میں معاون نہ ہو، اس میں وحدت تاثر اور کلیت ہو۔

ڈاکٹر مسیح الزماں کے مطابق ”افسانہ زندگی کی تفسیر ہے۔ اس میں زندگی کا ایسا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس پر حقیقت کا دھوکہ ہو سکے۔ وہ زندگی کی تعبیر بھی ہے اور تصویر بھی اور اسی کے ساتھ اس میں مصنف کا ایک نقطہ نظر بھی نہ ضروری ہے۔“

افسانے کے اجزائے ترکیبی نمبر ایک پلاٹ کردار نقطہ نظر ماحول اور فضا اغاز و اختتام وحدت تاثر

2.2 اجزائے ترکیبی

2.2.1 پلاٹ

افسانہ میں پلاٹ واقعات کی وہ مربوط اور منظم ترتیب ہے جو کہانی کو ابتداء سے اختتام تک پہنچاتی ہے اور قاری کی دلچسپی برقرار رکھتی ہے۔ افسانہ کا پلاٹ میں عام طور سے آغاز، واقعات کی پیش رفت، نقطۂ عروج اور اختتام پر محیط ہوتا ہے۔ افسانے میں اچھا پلاٹ وہ ہوتا ہے جس میں غیر ضروری کردار و واقعات شامل نہ ہوں اور ہر واقعہ کہانی کے بنیادی مقصد سے جڑا ہو ہو۔

2.2.2 کردار

افسانے میں کردار سے مراد وہ افراد یا شخصیات ہیں جو افسانے کے ارتقاء میں حصہ لیتے ہیں۔ ان افراد کے ذریعہ ہی افسانے میں واقعات رونما ہوتے ہیں اور کہانی آگے بڑھتی ہے۔ افسانہ نگار کرداروں کے ذریعہ انسانی زندگی، جذبات، خیالات، عادات اور رویوں کی عکاسی کرتا ہے۔ چونکہ افسانہ مختصر ہوتا ہے اس لیے افسانے میں کردار بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ افسانے میں عموماً دو طرح کے کردار ہوتے ہیں۔ ایک مرکزی کردار جس کے اردگرد پوری کہانی گھومتی ہے دوسرا ضمنی کردار، جس کے ذریعہ کہانی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

2.2.3 نقطہ نظر

افسانے میں مصنف کے نقطہ نظر کی بہت اہمیت ہے۔ نقطہ نظر سے مراد کسی واقعہ۔ شخصیت، یا زندگی کو دیکھنے، سمجھنے اور پیش کرنے کا انداز ہے۔ ہر ایک افسانہ نگار زندگی اور اس کے مسائل کو اپنے مخصوص انداز میں دیکھتا ہے۔ وہ جس انداز سے اپنے مشاہدات، خیالات اور احساسات کو افسانے میں پیش کرتا ہے اسے افسانہ نگار کا نقطہ نظر کہتے ہیں۔ افسانے میں نقطہ نظر کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ افسانہ نگار اپنے موضوع اور کرداروں کو کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔

2.2.4 زمان و مکاں

افسانے یں زمانے سے مراد وہ وقت یا دور ہے جس میں افسانے کے واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ وقت چند گھنٹوں، ایک دن یا مہینوں ہر بھی مشتمل ہوسکتے ہیں۔ اسی کے زریعہ افسانہ کسی تاریخی دور، موجودہ زمانے کے واقعات پر بھی تحریر کیا جاسکتا ہے۔ افسانہ میں مکان سے مراہ وہ جگہ جہاں واقعات پیش آتے ہیں جیسے گھر، گائوں، شہر، دفتر، اسپتال وغیرہ۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ افسانے میں زمان و مکان سے مراد واقعات کے پیش آنے کا وقت یا دور اور مکان سے مراد وہ جگہ جہاں یہ واقعات رونما ہوئے ہیں۔ زمان و مکان افسانے کو حقیقت سے قریب اور مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

2.2.5 آغاز و اختتام

افسانے میں آغاز سے مراد افسانہ کا وہ ابتدائی حصہ ہے جہاں سے کہانی شروع ہوتی ہے۔ اچھا آغاز قاری کی دلچسپی اور تجسس کو پیدا کرتا ہے، اس سے قاری پورا افسانہ پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اختتام افسانہ کا وہ آخری حصہ ہے جہاں کہانی اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔ اچھا اختتام قاری پر گہرا اور دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔

2.2.6 وحدت تاثر

وحدت تاثر افسانے کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ افسانہ پڑھنے کے بعد قاری کے ذہن اور دل پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ وہ افسانہ پڑھنے کے بعد کیا محسوس کرتا ہے۔ افسانے کے تمام واقعات، کردار، مکالمے، ماحول، اور اختتام اسی بنیادی تاثر کو مضبوط کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

2.3 آغاز و ارتقاء

2.3.1 تمہید

اردو افسانہ سے پہلے اردو نثر میں داستان، قصہ، حکایت، ناول اور مختصر قصہ بہت سی صرتیں موجود تھیں، لیکن جدید افسانہ اپنی مخصوص فنی ساخت، اختصار، وحدت تاثر اور اندگی کے کسی ایک پہلو کی موثر عکاسی کے اعتبار سے بیسویں صدی میں منفرد شناخت قائم کرنے میں کامیاب رہاہے۔ اردو افسانے کے ابتدائی دور میں پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مجنون گھور کھپوری اور بعض دوسرے ادیبوں نے افسانہ نگاری کی طرف خصوصی توجہ دی۔ افسانہ کے ابتدائی دور میں رومان، حسن و عشق، جذبات اور تخیل کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔

2.3.2 افسانہ کا رومانوی دور

اردو افسانے کے ابتدائی دور کو رومانوی دور سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دور کے افسانوں میں حسن و عشق، جذبات، تخیل، خواب، تصورات، انسانی جذبات کی لطیف کیفیات ملتی ہیں۔ اس دور کے اہم افسانہ نگاروں میں سجاد حید ریلدرم، نیاز فتح پوری، مجنون گھور کھپوری اور سلطان حیدر جوش کو شمار کیا جاتا ہے۔

رومانوی دور کے سب سے اہم افسانہ نگار سجاد حید ریلدرم ہیں۔ ان کے افسانوں میں رومانوی فضا، حسن و عشق، ضزبات اور تخیل کی رنگینی صاف طور سے دیکھی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اردو افسانے کو نئے اسلوب اور فنی اظہار سے آشنا کیا ہے۔ ان کے کامیاب افسانوں میں محبت ناجنس، ہندوستان کی رقاصہ، عورت کا انتقام، داماد کا انتخاب ازدواج محبت وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

سجاد حید ریلدرم کے بعد اردو افسانہ کی روایت کو ترقی دینے میں نیاز فتح پوری کا نام شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں عشق، حسن، فلسفیانہ خیالات اور نفسیاتی عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں رومانوی جذبے کے ساتھ فکر کی گہرائی بھی نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کے اہم افسانے نگارستان، جمالستان، نقاب اٹھ جانے کے بعد، حسن کی عیاریاں، قطرہ گوہر، زائر محبت اور حمرا کا گلاب وغیرہ اہم ہیں۔

مجنوں گورکھپوری نے بھی اردو افسانے کے ابتدائی دور میں رومانوی رجحان کو فروغ دیا۔ ان کے افسانوں میں عشق و محبت کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ اور جذباتی مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ شکست کے بعد، بیگانہ، خواب و خیال، تم میرے ہو، محبت کی قربانیاں، محبت، محبت کا مزار، بڑھاپا، سلگرہ، مرجھائے ہوئے پھول کو ان کے اہم افسانے تسلیم کیا جاتا ہے۔

2.3.3 سماجی حقیقت نگاری کا دور

اردو افسانہ کی ترقی میں پریم چند کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے افسانے کو حسن و عشق، رومان اور تخیل کی دنیا سے نکال کر حقیقی زندگی کے مسائل سے جوڑ دیا۔ ان کے افسانوں یں غریب، کسان، مزدور، عورت، نچلا طبقہ، زمیندار، سرمایہ دار،

مزہبی و سماجی تعصبات اور معاشرتی ناانصافیاں ان کے افسانوں کے اہم وضوعات رہے ہیں۔ کفن، عید گاہ، پوس کی رات، دو بیل، نمک کا داروغہ، شطرنج کے کھلاڑی اور سوا سیر گیہوں وغیرہ ان کے اہم افسانے ہیں۔

2.3.4 ترقی پسند تحریک میں اردو افسانہ

بیسویں صدی کی چھوتھی دہائی اردو افسانہ کی تاریخ میں بہت اہم رہی ہے۔ اس دہائی میں شروع ہوئی ترقی پسن تحریک نے اردو افسانے کے موضوعات اور اسلوب دونوں پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے۔ 1932ء میں میں ''انگارے'' کی اشاعت نے ردو ادب میں ایک نئے فکری رجحان کو پیش کیا۔ اس افسانوی مجموعے میں سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں اور محمود الظفر کے افسانے شامل تھے۔ اس افسانوی مضموعے کا انگریزی حکومت نے قابل اعتراض سمجھ کر نذر آتش کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد 1936ء میں ترقی پسند مصنفین کی تحریک کا باوائدہ آغاز ہوا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں نے سماج کے پسماندہ اور مظلوم طبقوں کی زندگی، غربت، بھوک، استحصال، طبقاتی کشمکش، عورت کے مسائل، سامراجیت اور معاشرتی ناانصافی کو اپنے افسانوں میں بے باکی کے ساتھ پیش کیا۔ اس دور کے اہم افسانہ نگاروں میں کرشن چندر، اجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، احمد ندیم قاسمی، غلام عباس، اوپیندر ناتھ اشک، خواجہ احمد عباس شامل تھے۔

کرشن چندر نے اپنے افسانوں میں غریبوں، کسانوں، مزدوروں، اور سماج کے محروم طبقوں کی زندگی کو کو پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں انسان دوستی اور سماجی شعور نمایاں ہیں۔ ان کے اہم افسانے ''زندگی کے موڑ پر''، ''کالو بھنگی''، ''آدھے گھنٹے کا خدا'' وغیرہ شامل ہیں۔

راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں انسانی نفسیات اور معاشرتی زندگی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان کی زبان سادہ موثر اور کردار نگاری مضبوط ہے۔ ان کے اہم افسانے ''گرم کورٹ''، ''لاجونتی''، ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' وغیرہ اہم ہیں۔

عصمت چغتائی اردو افسانے میں عورت کے مسائل اور نسوانی نفسیات کو نمایاں کرنے والی اہم افسانہ نگار ہے، انہوں نے متوسط طبقے کے گھریلو ماحول، عورت کی محرومی، سماجی پابندی اور جنسی نفسیات کو بے باکی سے پیش کیا ہے۔ ان کا سب سے مشہور افسانہ لحاف اور چوتھی کا جوڑا دوہاتھ ہے۔

منٹو کو اردو افسانہ کا ایک اہم سطون تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے انسانی زندگی کی تاریک پہلو، جنسی مسائل، طوائفوں کی زندگی، سماجی منافقت، تشدد اور تقسیم کے المیے کو بڑی خوصورتی سے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے مشہور افسانے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''کھول دو''، ''ٹھنڈا گوشت''موذیل''، ''کالی شلوار''اور ہتک ہیں۔ منٹو کے ہاں حقیقت نگاری کے ساتھ گہری نفسیاتی بصیرت بھی موجود ہے۔

2.3.5 حلقہ ارباب ذوق اور نفسیاتی رجحان

ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ اردو افسانے میں ایک دوسرااہم رجحان حلقہ ارباب ذوق سامنے آیا۔ اس رجحان میں فن، فرد ،داخلی، تجربے، نفسیات اور جمالیاتی احساس کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ اس رجحان سے وابسطہ افسانہ نگاروں نے صرف خارجی سماج کی عکاسی کرنے کے بجائے انسان کے باطن، ذہنی کشمکش، تنہائی اور داخلی احساسات کو بھی موضوع بنایا۔ اس رجحان کے اہم افسانہ نگاروں میں احمد ندیم قاسمی، غلام عباس، اوپیندر ناتھ اشک، امتیاز مفتی کا نام قابل ذکر ہے۔

2.3.6 جدیدیت اور اردو افسانہ

1950ء کے بعد اردو افسانے میں اہم تبدیلی رونما ہونا شروع ہوئی۔ افسانہ نگاروں نے روایت سے بغاوت کی۔ حقیقت نگاری سے آگے بڑھ کر انسان کے داخلی مسائل، تنہائی، وجودی، احساس، بے معنویت، خوف، بے یقینی اور ذہنی کشمکش کو اپنے افسانے کا موضوع بنایا۔ اس دور کے افسانہ نگاروں نے نئے تجربات کیے۔ علامت، استعارہ، تجرید، شعور کی رو اور داخلی خود کلامی جیسی تکنیکوں کا خوب استعمال کیا۔ اس دور کے اہم افسانہ نگار انتظار حسین، انور سجاد، سریندر پرکاش، بلراز مینزرا، خالدہ حسین، احمد ندیم قاسمی، جیلانی بانو، اقبال متین، مظہر زمان، ترنم ریاض وغیرہ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔

انتظار حسین نے علامتی افسانہ نگاری میں نمایاں خدات انجام دیں۔ انہوں نے ماضی، اساطیر، مذہبی روایات، ہجرت، تہذیبی زوال اور انسانی تنہائی کو افسانے کا موضوع بنایا۔ ان کا سب سے معروف افسانہ '' آخری آدمی'' ہے۔ جس میں انہوں نے گناہوں کی وجہ سے انسانوں کے بندر بن جانے کا نقشہ بڑھی خوبصورتی سے کھنچا ہے۔

2.4 پریم چند اور افسانہ کفن

2.4.1 منشی پریم چند کی حیات و خدمات

پریم چند اردو کے نامور ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ ان کا اصلی نام دھنپت رائے ہے، لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ 1880ء میں منشی عجائب لال کے وہاں ضلع وارانسی مرٹھوا کے گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے۔

ان کے والد عجائب رائے پوسٹ آفس میں ملازم تھے اور ماہانہ تنخواہ 20 روپے تھی، اس لیے گھر کی حالت تنگ تھی۔ پریم چند نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مولوی سے مکتب میں حاصل کی۔ بعد میں والد کا تبادلہ گورکھپور ہو گیا تو وہیں کے اسکول میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد والد گاؤں واپس آ گئے۔ جب پریم چند سات سال کے تھے تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور والد نے دوسری شادی کر لی۔

پندرہ سال کی عمر میں ان کی شادی ان کی مرضی کے بغیر ایک بڑی عمر کی لڑکی سے کر دی گئی۔ کچھ عرصے بعد والد بھی فوت ہو گئے۔ اب بیوی کے ساتھ سوتیلی ماں اور دو سوتیلے بھائیوں کی ذمہ داری بھی ان پر آ گئی۔

اس وقت تک وہ دسویں جماعت بھی پاس نہیں کر سکے تھے۔ وہ روزانہ ننگے پاؤں دس میل چل کر بنارس جاتے،

وہاں ٹیوشن پڑھاتے اور رات کو گھر واپس آ کر دیے کی روشنی میں پڑھائی کرتے۔ اسی محنت کے نتیجے میں انھوں نے 1889ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

حساب میں کمزور ہونے کی وجہ سے انھیں کالج میں داخلہ نہ مل سکا، چنانچہ 18 روپے ماہانہ کی تنخواہ پر ایک اسکول میں ملازمت اختیار کر لی۔

اس کے بعد 1904ء میں الہ آباد ٹریننگ اسکول سے تدریس کی سند حاصل کی اور 1905ء میں کانپور کے سرکاری اسکول میں ان کی تقرری ہوگئی۔ یہیں ان کی ملاقات رسالہ ”زمانہ“ کے مدیر منشی دیا نرائن نگم سے ہوئی۔ یہی رسالہ ادبی دنیا میں ان کے تعارف کا پہلا اہم ذریعہ بنا۔ 1908ء میں پریم چند سب انسپکٹر مدارس کی حیثیت سے مہوبہ، ضلع ہمیرپور چلے گئے۔ 1914ء میں انھیں بطور ماسٹر نارمل اسکول بستی بھیجا گیا اور 1918ء میں ان کا تبادلہ گورکھپور ہو گیا۔ اگلے سال انھوں نے انگریزی ادب، فارسی اور تاریخ کے مضامین کے ساتھ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

پریم چند کا اپنی پہلی بیوی سے نباہ نہیں ہو سکا، اور وہ الگ ہو کر اپنے میکہ چلی گئیں، ان کے الگ ہو جانے کے بعد پریم چند نے گھر والوں کی مرضی اور رواج کے خلاف اک نو عمر بیوہ شیورانی دیوی سے شادی کر لی تھی۔ ان سے ان کے ایک بیٹی کملا اور دو بیٹے شری پت رائے اور امرت رائے پیدا ہوئے۔

پریم چند کی پہلی ادبی تخلیق ایک مزاحیہ ڈرامہ تھی، جسے انھوں نے صرف 14 سال کی عمر میں اپنے بد اخلاق ماموں کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا تھا۔ اس کے اگلے سال انھوں نے ”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“ کے نام سے ایک اور ڈرامہ تحریر کیا۔ یہ دونوں ڈرامے شائع نہیں ہو سکے۔

ان کی باقاعدہ ادبی زندگی تقریباً پانچ چھ سال بعد شروع ہوئی، جب انھوں نے ایک مختصر ناول ”اسرارِ معابد“ لکھا۔ یہ ناول 1903ء اور 1904ء کے درمیان بنارس کے ہفت روزہ رسالے ”آوازۂ حق“ میں قسط وار شائع ہوا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے پریم چند کا قلمی نام، لکھنا شروع کرنے کے کئی سال بعد اختیار کیا۔

ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ جب سرکاری ملازمت کے دوران انھوں نے مختصر افسانے لکھنا شروع کیے تو انھوں نے نواب رائے کا قلمی نام استعمال کیا۔ کئی اصحاب انہیں عمر بھر نواب ہی لکھتے رہے، مگر جب حکومت نے ان کی کہانیوں کا مجموعہ ”سوزِ وطن“ ضبط کر لیا تو انھوں نے نواب رائے کا نام ترک کر دیا۔ اس کے بعد ان کی تمام تحریریں پریم چند کے قلمی نام سے شائع ہوئیں۔

1925ء اور 1929ء کے درمیان پریم چند نے دو مرتبہ لکھنؤ کے نول کشور پریس میں ملازمت کی۔ اس دوران انھوں نے درسی کتابیں تحریر کیں اور ہندی رسالہ ”مادھوری“ کی ادارت بھی انجام دی۔ 1929ء میں انھوں نے ہندی اور اردو کا رسالہ ”ہنس“ جاری کیا۔ حکومت نے کئی مرتبہ اس رسالے کی ضمانت ضبط کی، لیکن پریم چند مشکلات کے باوجود اسے جاری رکھتے رہے۔

1934ء میں ایک فلم کمپنی کی دعوت پر وہ بمبئی گئے، جہاں انھوں نے فلم "مزدور" کی کہانی لکھی۔ بااثر افراد کے دباؤ کی وجہ سے بمبئی میں اس فلم کی نمائش پر پابندی لگا دی گئی۔ اگرچہ بمبئی میں انھیں مزید فلمی کام مل سکتا تھا، لیکن فلمی دنیا کا ماحول انھیں پسند نہیں آیا، اس لیے وہ واپس بنارس آ گئے۔

1936ء میں لکھنؤ میں پریم چند کو انجمن ترقی پسند مصنفین کا صدر منتخب کیا گیا۔ ان کی زندگی کے آخری دن شدید مالی مشکلات اور مسلسل بیماری میں گزرے۔ آخر کار 8 اکتوبر 1936ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

پریم چند نے اپنی زندگی کو سادہ اور سپاٹ کہا ہے کیونکہ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اپنی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میری زندگی ایک سادہ اور سپاٹ میدان ہے، جس میں کہیں کہیں گڑھے تو ملیں گے۔۔۔ لیکن اس میں کوئی ٹیلے، پہاڑیاں، گھنے جنگل، گہری وادیاں یا کھنڈر نہیں ملیں گے۔ پہاڑوں میں گھومنے پھرنے والوں کو یہاں سخت مایوسی ہوگی۔"

(پریم چند، از: پرکاش چندر گپ، ناشر: ساہتیہ اکادمی، دہلی سن اشاعت: 1976۔ صفحہ 21)

2.4.2 منشی پریم چند کی افسانہ نگاری

پریم چند سے پہلے اردو افسانہ نگاری کی کوئی قابلِ ذکر روایت موجود نہیں تھی۔ چند مختصر قصے ضرور لکھے جا چکے تھے، لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی اور آج ان کی زیادہ اہمیت باقی نہیں رہی۔ اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ پریم چند نے اردو افسانے کی بنیاد رکھی اور اسے ترقی دے کر ایک مضبوط مقام تک پہنچایا۔

پریم چند کے افسانوی مجموعے۔

1۔ سوزِ وطن 1908ء

2۔ پریم پچیسی اول 1915ء

3۔ پریم پچیسی دوم 1918ء

4۔ پریم بتیسی حصہ اول اور دوم 1920ء

5۔ خاک پروانہ 1920ء

6۔ خواب وخیال 1928ء

7۔ فردوسِ خیال 1929ء

8۔ پریم چالیسی حصہ اول اور دوم 1930ء

9۔ آخری تحفہ 1934ء

10۔ زادِ راہ 1936ء

11۔ واردات 1938ء

2.4.3 پریم چند کی افسانہ نگاری کی خصوصیات

1. جذبۂ قومیت

ان کے افسانوں کی ایک اہم خصوصیت جذبۂ قومی ہے۔ اس میں وہ تمام افسانے شامل ہیں جو ہندوستان کی عظمت اور جلال سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "سوز وطن" جذبۂ قومی وحب الوطنی سے لبریز ہے۔

سوز وطن "میں پانچ افسانے "دنیا کا سب سے انمول رتن"، "شیخ مخمور"، "یہی میرا وطن ہے"، "صلہ ماتم"، "عشق دنیا اور حب وطن" شامل ہیں۔

سوز وطن" کا موضوع غلامی کے خلاف مزاحمت کے جذبے پر مشتمل ہے اور اس کا مرکزی خیال وطن پرستی ہے۔ اسی لیے اس میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کا احساس زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہے۔

سوز وطن کے دیباچے میں لکھتے ہیں: "ہمارے ملک کو ایسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے جو نئی نسل کے جگر میں حب وطن کی عظمت کا نقشہ جمائیں۔" (سوز وطن، پریم چند، ناشر: انجمن تہذیب نو، الہ آباد سن اشاعت: 1980۔ صفحہ 18)

2. دیہی ماحول کی عکاسی

چونکہ پریم چند نے دیہی زندگی کا مشاہدہ بہت گہرائی سے کیا تھا، اس لیے انہیں دیہات کی زندگی کی پریشانیوں کا بخوبی علم تھا۔ لہٰذا انہوں نے دیہات کی زندگی کے مسائل کو اپنے زیادہ تر افسانوں کا موضوع بنایا۔ پوس کی رات"، "سوا سیر گیہوں" اور ان کے دیگر افسانے کسانوں کی غربت و افلاس کی عکاسی کرتے ہیں۔ پریم چند نے غریب کسان اور کاشتکار کے رہن سہن، اس کے افلاس اور دکھوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔ "سوا سیر گیہوں" پریم چند کا ایک ایسا افسانہ ہے جو دیہاتی کسان کی سادہ لوحی کے ساتھ ساتھ زمیندار مہاجن اور ساہوکار کی فریب کاری کا پردہ چاک کرتا ہے اور اس کے ظلم و تشدد اور مکر و فریب کے خلاف انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ افسانہ "بے غرض محسن" میں پریم چند نے پہلی بار ایک غریب کسان کو اپنے افسانے کا ہیرو بنایا اور یہ ثابت کر دیا کہ ایک معمولی کسان میں بھی ہیرو کی ساری خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ اس افسانے میں ایک غریب کسان تخت سنگھ اور اس کی بیوی کی غربت اور استحصال بھری زندگی کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ بڑی دل خراش ہے۔ اس افسانے میں پریم چند نے پہلی مرتبہ ہندوستانی دیہات کی زندگی کے المناک ماحول کو سمیٹنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ یہ وہ دور تھا جب زمینداروں ، مہاجنوں اور ساہوکاروں کا ظلم اپنے شباب پر تھا اور کسانوں پر ان کے مظالم بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ اس افسانے میں پریم چند نے گاؤں کی سچی اور جاذب نظر تصویر کشی بڑی ہنر مندی اور فنکارانہ انداز سے کی ہے کہ اس کی نظیر ہی نہیں ملتی۔

3. مقصدیت

پریم چند سے پہلے لکھی جانے والی کہانیوں پر داستان کا رنگ غالب تھا۔ پریم چند نے اپنی کہانیوں کو سنجیدگی کا رنگ دیا اور انہیں حقیقی زندگی کا آئینہ دار بنایا۔

: پریم چند، ترقی پسند تحریک کے پہلے اجلاس کے صدارتی خطبے میں فرماتے ہیں

ادب کی بہت سی تعریفین کی گئی ہیں لیکن میرے خیال مین اس کی بہترین تعریف تنقید حیات ہے چاہے وہ مقالوں کی شکل میں" ہو یا افسانوں کی یا شعر کی، اسے ہماری حیات کا تبصرہ کرنا چاہیے"۔

4. انسانی نفسیات کا اظہار

پریم چند کے افسانے نفسیاتی مطالعے اور مشاہدے سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے کردار زیادہ تر مثالی ہوتے ہیں، جن کے اعمال ہمارے لیے نمونہ بن سکتے ہیں۔ اس چیز سے پریم چند نے اس قدر کام لیا ہے کہ وہ ان کے طرز بیان کی ایک خصوصیت بن گئی ہے۔ :مثلاً وہ جملوں میں جہاں تشبیہات کا استعمال کرتے ہیں تو انھیں نفسیاتی محسوسات کو کام میں لاتے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"ایک یتیم بچہ ماں کا تذکرہ سن کر رونے لگتا ہے۔ اسی طرح چھا کی یاد سے چمپت رائے کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔"

بحوالہ پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری، محمد اکبر الدین صدیقی، سن اشاعت:1945، صفحہ 7

5. تنوع

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پریم چند نے اپنے افسانوں میں زندگی کے ہر دو پہلوؤں المیہ و طربیہ کو سمو دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہر طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ روہیلوں، بندیلوں اور راجپوتوں کی جنگ جویانہ صفات اور جرات مندانہ اقدار کا ذکر بھی کرتے ہیں اور ہندو مہاجنوں، ساہوکاروں، سیٹھوں اور زمینداروں کے ظلم و تشدد اور گھناؤنے کرداروں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں اور غریب کسانوں، مفلس کاشتکاروں اور نیچی ذات کے چماروں کی بے بسی اور بے کسی کی المناک داستانیں رقم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں رانی سارندھا جیسی جاں باز اور آن پر مٹنے والی رانیاں بھی ہیں اور کام چور و کاہل گھیسو اور مادھو جیسے المیہ کردار بھی ملتے ہیں۔

حاصل یہ کہ پریم چند اردو ادب کے عظیم ناول نگار اور افسانہ نگار تھے جنہوں نے ادب کو حقیقی زندگی کے مسائل سے جوڑ دیا۔ ان کی تحریروں میں حقیقت نگاری، مقصدیت، سادہ و سلیس زبان، دیہی زندگی کی عکاسی، قومی جذبہ اور انسانی نفسیات نمایاں ہیں۔ انہوں نے کسانوں، مزدوروں، عورتوں اور مظلوم طبقات کے مسائل کو مؤثر انداز میں پیش کیا۔ اردو افسانے اور ناول کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی وجہ سے پریم چند کو اردو ادب میں ایک اہم اور بلند مقام حاصل ہے۔ ان کی ادبی خدمات آج بھی اردو اور ہندی ادب کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

2.4.4 افسانہ کفن کا خلاصہ

پریم چند کا شاہکار افسانہ ''کفن'' غربت، افلاس، سماجی بے حسی اور انسانی اقدار کی زوال پذیری کی موثر تصویر پیش کرتا ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار گھیسو مادھو اور بدھیا ہے۔ گھیسو اور مادھو باپ بیٹا ہیں اور انتہائی غریب، سست اور کام چور ہیں، جبکہ بدھیا مادھو کی بیوی ہے۔

افسانہ ''کفن'' کا آغاز جاڑے کی ایک سرد رات سے ہوتا ہے۔ گھیسو اور مادھو اپنی جھوپڑی کے باہر آگ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور آلو بھون کر کھا رہے ہیں، جبکہ اندر مادھو کی بیوی بدھیا دردِ زہ سے تڑپ رہی ہوتی ہے۔ دونوں اس کی تکلیف سے واقف ہونے کے باوجود اس کی مدد کے لیے اندر صرف اس لیے نہیں جاتے کیوں کہ ایک دوسرے کے حصہ کے آلو دوسرا نہ کھالے۔ رات بھر بدھیا درد سے تڑپتی رہتی ہے اور آخر کار بدھیا شدید تکلیف میں دم توڑ دیتی ہے۔ صبح جب گھیسو اور مادو کو بدھیا کی موت کا علم ہوتا ہے تو وہ دونوں زور زور سے رونے اور چلانے لگتے ہیں تاکہ گاؤں کے لوگ ان سے ہمدردی کا اظہار کریں۔ اس کے علاوہ اان کے آہ وبکا کرنے کی وجہ ان دونوں کے سامنے اس کی آخری رسومات کا مسئلہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کے پاس نا کفن خریدنے کے پیسے ہیں اور نہ ہی لکڑی کا انتظام کرنے کی استطاعت، دونوں روتے دھوتے گاؤں کے لوگوں اور زمین داروں کے پاس جاتے ہیں زمیندار اور گاؤں کے کچھ لوگ ان کی مدد کرتے ہیں اور کفن کے لیے رقم جمع ہو جاتی ہے۔

گھیسو اور مادھو اس رقم سے کفن خریدنے کے لیے بازار جاتے ہیں۔ لیکن راستہ میں شراب خانہ دیکھ کر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں اور کفن خریدنے کے بجائے شراب خانے میں پہنچ جاتے ہیں، وہ دونوں خوب شراب پیتے ہیں گوشت اور دوسرے

کھانے کھاتے ہیں اور اپنی غربت بھری زندگی میں پہلی بار خوب عیش کرتے ہیں ان کے پاس بدھیا کے کفن کے لیے دی گئی رقم ہوتی ہے مگر اسے بھی اپنی خواہشات پر خرچ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے جیتے جی نہ ہی اسے کچھ ملا نہ ہی انہیں لیکن مرنے کے بعد انہیں بھر پیٹ کھانا اور شراب ملی۔ گھیسو اور مادھو اپنے اس عمل کو درست ثابت کرنے کے لیے عظیم عجیب منطق پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زندہ انسانوں کو جب تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا انہیں ملتا تو وہ مردہ کے لیے نیا کفن کیوں خریدا جائے، اس لیے وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کو اس قربانی کا ثواب ضرور ملے گا۔

آخر میں دونوں نشے میں دھت ہو کر خوب ناچتے اور گاتے ہیں۔ پریم چند نے افسانے کا یہ اختتام نہایت تلخ طنزیہ اور المیہ واقعہ پر کیا ہے۔ پریم چند نے گھیسو اور مادھو کی بے حسی کے ذریعے صرف ان کی اخلاقی کمزوری نہیں دکھائی بلکہ اس سماجی اور معاشی نظام پر بھی ایسی چوٹ کی ہے، جس نے انسان کو غربت، بھوک اور محرومی کے ایسے مقامات تک پہنچا دیا جہاں اس کی انسانی اقدار بھی مجروح ہو جاتے ہیں۔

2.5 مشکل الفاظ کے معنی

الفاظ معنی

1۔ عکاسی تصویر پیش کرنا

2۔ وحدت یکسانیت، ایک پن

3۔ فضا ماحول، کسی جگہ کی ہوا

4۔ منظر کشی منظر کو الفاظ میں پیش کرنا

5۔ المیہ دکھ بھرا واقعہ، غم ناک انجام

6۔ مجروح زخمی، متاثر

7۔ استحصال ناجائز فائدہ اٹھانا

8۔ کشمکش ذہنی جدوجہد

9۔ اضطراب بے چینی، بے قراری

10 تجسس جاننے کی خواہش

11۔ اختصار کم الفاظ میں بیان

2.6 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ افسانہ کسے کہتے ہیں۔

2۔ افسانہ کے اجزائے ترکیبی کون کون سے ہیں۔

3۔ افسانے میں زمان و مکان سے کیا مراد ہے۔

4۔ پریم کے افسانوی مجموعوں کے نام لکھئے۔

5۔ آپ کی نظر میں گھیسو اور مادھو کے کردار کیسے ہیں۔

2.7 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. افسانہ کے اجزائے ترکیبی کون سے ہیں، تفصیل سے بیان کیجئے۔

2۔ اردو افسانہ کے آغاز وارتقاء پر مفصل نوٹ لکھئے۔

3۔ افسانہ کفن کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجئے۔

2.8 مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

1۔ اردو افسانے کی روایت مرزا حامد بیگ

2۔ ترقی پسند اردو افسانہ اور چند اہم افسانہ نگار ڈاکٹر اسلم جمشید پوری

3۔ اردو افسانہ پروفیسر ابن کنول

4۔ آزادی کے بعد اردو افسانہ گوپی چند نارنگ، ارتضی کریم، اسلم جمشید پوری

5۔ جدید اردو افسانے مشرف عالم ذوقی

6۔ پریم چند کے سو افسانے پریم گوپال متل